کلمۃ الحدیث	حافظ زبیر علی زئی

ماہنامہ الحدیث کا سفر

الحمد لله رب العالمين والصلٰوة والسلام علٰى رسوله الأمين .أمابعد:

تمام حمد وثنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کے فضل وکرم سے ماہنامہ الحدیث حضرو کی تیسری جلد کا آخری شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس عظیم سفر کا آغاز جون ۲۰۰۴ء بمطابق ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ میں ہوا۔

راقم الحروف نے کلمۃ الحدیث میں لکھا تھا کہ ''...درج ذیل اصول اور مقاصد کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے گا۔ **إن شاء الله العزيز**

① قرآن وحدیث اور اجماع کی برتری
② سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
③ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمۂ کرام سے محبت
④ صحیح وحسن روایات سے استدلال اور ضعیف ومردود روایات سے کلی اجتناب
⑤ اتباعِ کتاب وسنت کی طرف والہانہ دعوت
⑥ علمی، تحقیقی ومعلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان
⑦ مخالفینِ کتاب وسنت اور اہلِ باطل پر علم ومتانت کے ساتھ بہترین وبادلائل رد
⑧ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدِنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
⑨ دینِ اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع
⑩ قرآن وحدیث کے ذریعے اتحادِ امت کی طرف دعوت'' (ماہنامہ الحدیث حضرو:۱ص۵)

الحمدللہ ان اصول ومقاصد پر ہم نے پورا اُترنے کی کوشش کی ہے۔ علمی وتحقیقی حلقوں میں ماہنامہ الحدیث کو زبردست پذیرائی حاصل ہوئی اور اہلِ علم نے تحریری وزبانی حمایت کر کے ہمارے عزم وارادے کو اور مضبوط کر دیا۔

ماہنامہ الحدیث کے بارے میں پروفیسر مولانا ابوحمزہ سعید مجتبیٰ سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ مجلّہ واقعی ''بقامت کہتر وبقیمت بہتر'' کا مصداق ہے۔آپ کے مقالات، فقہ الحدیث اور توضیح الاحکام خصوصاً اہمیت کے حامل ہیں۔ باقی مضامین کی اہمیت وافادیت سے بھی انکار نہیں۔'' (خط مورخہ ۱۷ جون ۲۰۰۶ء)

اکتیس مہینوں کے اس سفر میں مختصر صحیح نماز نبوی، نزولِ مسیح حق ہے، جنت کا راستہ، نورالمصابیح فی صلوٰۃ التراویح، نماز میں بحالتِ قیام ہاتھ باندھنے کا حکم، دین میں تقلید کا مسئلہ، شعار اصحاب الحدیث، یمن کا سفر، اتباعِ کتاب وسنت، اتباع اور تقلید میں فرق، صحیح بخاری پر منکرینِ حدیث کے حملے، امام احمد بن حنبل کا مقام محدثینِ کرام کی نظر میں اور اہلِ حدیث ایک صفاتی نام اور اجماع جیسی عظیم الشان کتابیں شائع کی گئیں۔احسن الحدیث (تفسیر قرآنِ مجید) فقہ الحدیث (اضواء المصابیح تخریج وشرح مشکوٰۃ المصابیح) توضیح الاحکام (سوال وجواب اور تخریج الاحادیث)، محبت ہی محبت اور غیر ثابت قصے جیسے علمی وتحقیقی سلسلے مسلسل جاری رہے۔صحیح فضائل اعمال اور تحقیقی ومفید مضامین کے ذریعے سے علمی خزانہ لوگوں تک پہنچایا گیا۔

رسالہ الحدیث اصل میں اشاعۃ الحدیث، نصرۃ الحدیث اور دعوۃ الحدیث کا رسالہ ہے جو علمی جہاد میں تمام اہلِ باطل اور فرقِ ضالہ پر غالب ہے۔قرآن وحدیث سے محبت کرنے والوں اور پارٹی بازیاں چھوڑ کر علمبر دارانِ وحدتِ اہلِ حق کے دلوں کی ٹھنڈک اور آنکھوں کا تارا ہے۔

میں آخر میں اپنے ساتھیوں اور بھائیوں: حافظ ندیم ظہیر، ڈاکٹر ابوجابر عبداللہ دامانوی، ابوالاسجد محمد صدیق رضا، حافظ ابوالعباس شیر محمد، ابوثاقب محمد صفدر حضروی، ابراہیم بن بشیر الحسینوی، نصیر احمد کاشف اور فضل اکبر کاشمیری، واجب الاحترام مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ، استاذ محترم مولانا حافظ عبدالحمید ازہر حفظہ اللہ اور تمام علماء وفضلاء اور بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے عظیم علمی وتحقیقی تعاون فرمایا: جزاہم اللہ خیراً

(۱۲۔اکتوبر ۲۰۰۶ء، ۱۸رمضان ۱۴۲۷ھ)

فقہ الحدیث | حافظ زبیر علی زئی

تقدیر پر ایمان

باب الإیمان بالقدر، الفصل الأول

(**٧٩**) **وعن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ :((کتب الله مقادیر الخلائق قبل أن یخلق السمٰوات والأرض بخمسین ألف سنة))**
قال:((وکان عرشه علی الماء)) رواه مسلم

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے (تمام) مخلوقات کی تقدیروں کو لکھا ....اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

اسے (امام) مسلم (١٦/٢٦٥٣ وترقیم دارالسلام:٦٧٤٨) نے روایت کیا ہے۔

تخریج الحدیث:

اس حدیث کو امام مسلم کے علاوہ امام عبداللہ بن وہب المصری (کتاب الجامع: ٥٨٠، کتاب القدر:١٧) جعفر بن محمد الفریابی (کتاب القدر:٨٤) ترمذی (السنن:٢١٥٦ وقال: حسن صحیح غریب) احمد (١٦٩/٢ ح ٦٥٧٩) عبد بن حمید (المنتخب:٣٤٣) ابن حبان (الاحسان: ٦١٠٥، دوسرا نسخہ: ٦١٣٨) محمد بن الحسین الآجری (الشریعۃ ص ١٧٦ ح ٣٤١-٣٤٣) اور بیہقی (کتاب القضاء والقدر:١٢٨، کتاب الاسماء والصفات ص ٣٧٤، ٣٧٥ دوسرا نسخہ ص ٤٧٧ کتاب الاعتقاد ص ١٣٦) وغیرہم نے ابو ہانی حمید بن ہانی عن ابی عبدالرحمٰن الحبلی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید الحبلی ثقہ ہیں۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:٣٧١٢)

حمید بن ہانی ثقہ ہیں۔ انھیں دارقطنی (سوالات البرقانی:٩٥) ابن حبان (الثقات ١٤٩/٤)

اور ابن شاہین (الثقات: ۲۷۵) نے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام مسلم وغیرہ نے تصحیح کے ذریعے ان کی توثیق کی ہے لہٰذا یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ والحمد للہ

فقہ الحدیث:

① مقدار کی جمع مقادیر ہے۔ مقدار کا مطلب ہے ''عدد پیمائش، ناپ تول اور سائز میں مماثل شے، درجہ، حیثیت، تقدیر فیصلہ الٰہی'' دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۲۸۳)

② اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ تقدیر برحق ہے اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:

''ومذهب السلف قاطبة أن الأمور كلها بتقدير الله تعالىٰ''

اور تمام سلف (صالحین) کا مذہب یہی ہے کہ تمام امور اللہ کی تقدیر سے ہیں۔

(فتح الباری ۱۱/۴۷۸ تحت ح ۶۵۹۴)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک مقدار سے پیدا کیا ہے۔ (القمر: ۴۹)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مشرکینِ قریش نے تقدیر کے بارے میں جھگڑا کیا تو یہ (درج بالا) آیت نازل ہوئی۔

(صحیح مسلم: ۲۶۵۶، دارالسلام: ۶۷۵۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا اور جو تم کام کرتے ہو۔ (الصّٰفّٰت: ۹۶)

اس آیت کی تشریح میں امام بخاری فرماتے ہیں: پس اللہ نے خبر دی کہ تمام اعمال اور اعمال والے مخلوق ہیں۔ (خلق افعال العباد ص ۲۵ ح ۱۱۷)

تقدیر پر دیگر آیات کے لئے دیکھئے کتاب الشریعۃ للآجری (ص ۱۵۰ تا ۱۷۲)

متواتر المعنیٰ احادیث سے عقیدۂ تقدیر ثابت ہے جن میں سے بعض کا ذکر مشکوٰۃ المصابیح کے اس باب میں ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں: '' ما أضل من كذّب بالقدر، لو لم يكن

علیهم فیه حجة إلا قوله تعالٰی ﴿خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنكُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾ لكفٰی بها حجة '' تقدیر کا انکار کرنے والے سے زیادہ کوئی گمراہ نہیں ہے، اگر تقدیر کے بارے میں صرف یہ ارشادِ باری تعالیٰ دلیل ہوتا: اس نے تمھیں پیدا کیا پس تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن ہیں۔ (التغابن:۲) تو کافی تھا۔

(کتاب القدر للفریابی:۲۹۰ وسندہ صحیح، الشریعۃ للآجری ص ۲۲۶، ۲۲۷ ح ۵۰۸ وسندہ صحیح)

طاوس تابعی فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک جماعت کو پایا ہے، وہ کہتے تھے: ہر چیز تقدیر سے ہے۔ (صحیح مسلم:۲۶۵۵ وترقیم دارالسلام:۶۷۵۱)

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابو سہیل بن مالک سے پوچھا: تقدیر کے ان منکروں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا: میری یہ رائے ہے کہ انھیں توبہ کرائی جائے اگر وہ توبہ کرلیں (تو ٹھیک ہے) ورنہ انھیں تہِ تیغ کر دینا چاہئے۔ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: میری (بھی) یہی رائے ہے۔ (موطأ امام مالک ۲/۹۰۰ ح ۱۷۳۰ وسندہ صحیح)

قدریہ (تقدیر کے منکرین) کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں، (اللہ کی) قسم، اگر وہ احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کر دیں تو تقدیر پر ایمان لانے کے بغیر (اللہ کے ہاں) قبول نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم:۸، دارالسلام:۹۳)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک بدعتی نے سلام بھیجا تو انھوں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(دیکھئے سنن الترمذی:۲۱۵۲ وسندہ حسن وقال الترمذی: ''هٰذا حدیث حسن صحیح غریب'')

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **العجز والکیس من القدر** ''

کمزوری اور ذہانت تقدیر سے ہے۔ (الشریعہ للآجری ص ۲۱۳ ح ۴۴۸ وسندہ صحیح)

اس طرح کے اور بھی بہت سے آثار ہیں جن سے تقدیر کا عقیدہ صاف ثابت ہوتا ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: '' **من کفر بالقدر فقد کفر بالإسلام** ''

جس نے تقدیر کا انکار کیا تو اس نے اسلام کا انکار کیا۔ (الشریعہ ص ۲۱۷ ح ۴۶۲ وسندہ صحیح)

قاسم بن محمد بن ابی بکر اور سالم بن عبداللہ بن عمر دونوں قدریہ فرقے والوں پر لعنت بھیجتے تھے۔

(الشریعۃ ص ۲۲۳ ح ۴۹۲ وسندہ حسن)

امام لیث بن سعد المصری نے تقدیر کے منکر کے بارے میں فرمایا کہ نہ اس کی بیمار پرسی کی جائے اور نہ اس کے جنازے میں شامل ہوں۔ (الشریعۃ للآجری ص ۲۲۷ ح ۵۰۹ وسندہ صحیح)

③ امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہما اللہ نے فرمایا:

" کل شيء بقدر "میں بقدر کا معنی "کتب و علم " ہے یعنی لکھا اور اسے علم ہے۔

(کتاب القدر للفریابی: ۲۱۱ وسندہ صحیح)

④ امام اہلِ سنت ابوعبداللہ احمد بن حنبل نے فرمایا:

" لا يصلى خلف القدرية والمعتزلة والجهمية "

قدریہ، معتزلہ اور جہمیہ (گمراہ فرقے والوں) کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

(کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۸۳۳ وسندہ صحیح)

⑤ فضل بن عیسیٰ الرقاشی نامی ایک قدری بدعتی شخص تھا جس کے بارے میں امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ نے فرمایا: " لو ولد أخرس كان خيراً له " اگر وہ گونگا پیدا ہوتا تو اس کے لئے بہتر تھا۔ (کتاب الضعفاء للبخاری: ۳۰۶ وسندہ صحیح، الجرح والتعدیل ۷/۶۴ وسندہ صحیح)

یہ رقاشی ایک دن محمد بن کعب القرظی (تابعی) کے پاس آ کر تقدیر کے بارے میں کلام کرنے لگا تو امام قرظی نے اس سے کہا: (خطبے والا) تشہد پڑھ، جب وہ " من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له " تک پہنچا تو انھوں نے اپنی لاٹھی اٹھا کر رقاشی کے سر پر ماری اور فرمایا: اٹھ جا (دفع ہو جا) پھر جب وہ چلا گیا تو آپ نے (اپنی بصیرت اور تجربے سے) فرمایا: یہ آدمی اپنی رائے سے کبھی رجوع نہیں کرے گا۔

(السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۹۶۲ وسندہ صحیح)

⑥ تقدیر کے بارے میں شیخ عبدالمحسن العباد المدنی نے بہت بہترین بحث کی ہے جس کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے اور ''شرح حدیثِ جبریل'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اس کتاب سے تقدیر کی بحث پیشِ خدمت ہے:

تقدیر پر ایمان

اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان کے بارے میں قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں اور بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسئلۂ تقدیر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّا كُلَّ شَىْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو قدر (تقدیر و مقدار) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

[القمر:۴۹]

اور فرمایا: ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾ کہہ دو ہمیں تو وہی مصیبت پہنچتی ہے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے۔ [التوبۃ:۵۱]

اور فرمایا: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ زمین میں اور تمھیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ واقع ہونے سے پہلے ہماری کتاب میں درج ہے، اللہ کے لئے یہ (بہت) آسان ہے۔ [الحدید:۲۲]

رہی سنت تو امام بخاری و امام مسلم نے صحیحین میں تقدیر کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں جن میں ایسی بہت سی احادیث ہیں جن سے تقدیر ثابت ہوتی ہے۔

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے قوی مومن بہتر اور پسندیدہ ہے اور (ان) سب میں خیر ہے۔ جو چیز تجھے نفع دے اُس کی حرص کر، اللہ سے مدد مانگ اور عاجز نہ بن۔ اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہنا کہ اگر میں ایسے ایسے کرتا تو ایسا ہوتا۔ بلکہ یہ کہہ: اللہ کی یہی تقدیر ہے، اُس نے جو چاہا ہُوا۔ کیونکہ لَوْ (اگر مگر) شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ [صحیح مسلم:۲۶۶۴]

طاوس (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کو یہ فرماتے ہوئے پایا ہے کہ ہر چیز تقدیر سے ہے اور میں نے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہے حتیٰ کہ (دماغی) عاجزی اور ذہانت بھی تقدیر سے ہے۔

[صحیح مسلم:۲۶۵۵]

عاجزی اور ذہانت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تروتازہ کی تروتازگی، سُست کی سُستی اور عاجزی سب تقدیر سے ہے۔نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ''اس کا معنی یہ ہے کہ عاجز کی عاجزی اور ذہین کی ذہانت تقدیر میں لکھی ہوئی ہے''

[شرح صحیح مسلم ۲۰۵/۱۶]

آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر آدمی کا جنت و دوزخ میں ٹھکانا لکھا ہوا ہے (جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائے گا) تو لوگوں نے کہا! یا رسول اللہ! ہم اسی پر توکل کر کے بیٹھ نہ جائیں؟ تو آپ نے فرمایا: اعمال کرو، جو میسر ہیں (جنتی کے لئے جنت کے اعمال میسر کئے گئے ہیں لہٰذا اُسے چاہئے کہ وہ جنتیوں کے اعمال کرے) پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۙ﴾ سے لے کر ﴿لِلْعُسْرٰی﴾ [سورۃ الّیل: ۵،۱۰] تک۔

[صحیح بخاری: ۴۹۴۵ و صحیح مسلم: ۲۶۴۷ عن علی رضی اللہ عنہ]

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ بندوں کے نیک اعمال تقدیر میں ہیں اور انھی سے خوش قسمتی حاصل ہوگی اور یہ بھی تقدیر میں ہے اور بندوں کے بُرے اعمال تقدیر میں ہیں اور ان سے بدبختی حاصل ہوگی اور یہ بھی تقدیر میں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی نے اسباب بنائے۔ کوئی چیز بھی اللہ کی تقدیر، فیصلے، تخلیق اور ایجاد سے باہر نہیں ہے۔

(سیدنا) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (بیٹھا ہوا) تھا تو آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھاتا ہوں، اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا، اللہ کو یاد رکھ تُو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب (مافوق الاسباب) سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ، اور جان لے کہ اگر سب لوگ تجھے فائدہ پہنچانا چاہیں تو تجھے صرف وہی فائدہ پہنچے گا جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے اور اگر سارے لوگ تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو تجھے صرف وہی نقصان پہنچ سکتا ہے

جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے۔ قلم اُٹھا لئے گئے اور (تقدیر کے) صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ [سنن الترمذی:۲۵۱۶ وقال:''ھذا حدیث حسن صحیح'']

تقدیر پر ایمان کے چار درجے ہیں، جن پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے:

پہلا درجہ: جو کچھ ہونے والا ہے اُس کے بارے میں اللہ کا علم ازلی وابدی ہے۔ ہر چیز جو ہونے والی ہے، ازل سے اللہ کے علم میں ہے، اللہ کو کسی چیز کے بارے میں قطعاً جدید علم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ پہلے سے ہی اُسے ہر چیز کا پُورا علم ہے۔

دوسرا درجہ: ہر چیز جو واقع ہونے والی ہے اس کے بارے میں زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے، سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں، زمین وآسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی ہیں۔ اوراس کا عرش پانی پر تھا۔ [صحیح مسلم:۲۶۵۳ من حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ]

تیسرا درجہ: اللہ کی مشیت اوراس کا ارادہ، جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اللہ کے ملک میں صرف وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ جو اللہ نے چاہا تو ہوا اور جو نہیں چاہا تو نہیں ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ اللہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا حکم صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ فرماتا ہے: كُنْ (ہو جا) تو ہو جاتا ہے [یٰسٓ:۸۲] اور فرمایا ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور تم جو چاہتے ہو وہ نہیں ہو سکتا الا یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ [التکویر:۲۹]

چوتھا درجہ: جو کچھ ہونے والا ہے اُس کا وجود اور تخلیق اللہ کی مشیت پر ہے، اس کے ازلی علم کے مطابق اور جو اُس نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے کیونکہ جو کچھ ہونے والا ہے، وہ اشیاء اور ان کے افعال اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے [الزمر:۶۲] اور فرمایا ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم جو اعمال کرتے ہو انھیں (بھی) پیدا کیا ہے۔ [الصّٰفّٰت:۹۶]

تقدیر پر ایمان، اُس غیب پر ایمان ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تقدیر میں جو

کچھ ہے اس کا واقع ہونا لوگوں کو دو طرح سے معلوم ہو سکتا ہے:

1- کسی چیز کا واقع ہو جانا، جب کوئی چیز واقع ہو جاتی ہے تو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تقدیر میں یہی تھا، اگر یہ تقدیر میں نہ ہوتا تو واقع ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہ جو نہیں چاہتا تو نہیں ہوتا۔

2- مستقبل میں ہونے والے واقعات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں مثلاً دجال، یاجوج وماجوج اور نزولِ عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) وغیرہ اُمور کے بارے میں آپ کی پیش گوئیاں، جو کہ آخری زمانے میں وقوع پذیر ہوں گی۔

[دجال ایک کانے شخص کا لقب ہے جس کا ظہور قیامت سے پہلے ہوگا اور سیدنا عیسیٰ بن مریم الناصری علیہما السلام اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔ دیکھئے صحیح مسلم (ح ۲۸۹۷ وترقیم دارالسلام: ۷۲۷۸)]

[تنبیہ: سیدنا حسن بصری (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**قبل موت عیسٰی ، والله إنه الآن لحيّ عندالله ولكن إذا نزل آمنوا به أجمعون**'' عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے (سب اہلِ کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے) اللہ کی قسم اب آپ (عیسیٰ علیہ السلام) اللہ کے پاس زندہ ہیں جب وہ نازل ہوں گے تو سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے (تفسیر طبری ۱۴/۶ وسندہ صحیح) اسی پر خیر القرون کا اجماع ہے۔ یاد رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے کشف الاستار عن زوائد البزار (۱۴۲/۴ ح ۳۳۹۶ وسندہ صحیح)]

یہ پیش گوئیاں اس کی دلیل ہیں کہ ان اُمور کا واقع ہونا ضروری ہے۔ یہی اللہ کی تقدیر اور فیصلے میں لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی وہ پیش گوئیاں جو آپ نے اپنے زمانے کے قریب واقع ہونے والے اُمور کے بارے میں فرمائی ہیں۔ انھی میں سے وہ حدیث ہے جسے (سیدنا) ابوبکرہ (نفیع بن الحارث) رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سُنا، حسن (بن علی رضی اللہ عنہما) آپ کے پاس تھے۔ آپ ایک دفعہ ان کی

طرف اور ایک دفعہ لوگوں کی طرف دیکھتے تھے اور فرماتے تھے ''میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور ہوسکتا ہے کہ اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے''

[صحیح بخاری:۳۷۴۶]

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ (آپ کی وفات کے بہت بعد) اکتالیس ہجری (۴۱ ھ) میں واقع ہوئی جب مسلمانوں میں اتفاق ہوگیا۔ اسے ''عام الجماعۃ'' (اتفاق کا سال) بھی کہتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حدیث سے یہ سمجھا تھا کہ (سیدنا ومحبوبنا) حسن (بن علی) رضی اللہ عنہ بچپن میں نہیں مریں گے اور وہ اُس وقت تک زندہ رہیں گے جب تک صلح کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ پیش گوئی واقع نہ ہوجائے۔ یہ چیز تقدیر میں تھی جس کے وقوع سے پہلے صحابۂ کرام کو اس کا علم تھا۔

ہر چیز کا خالق اور اس کی تقدیر بنانے والا اللہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ [الزمر:۶۲]

اور فرمایا ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا﴾ اور اس اللہ نے ہر چیز پیدا کی، پس اس نے ہر چیز کی تقدیر مقرر کی یعنی مقداریں بنائیں۔ [الفرقان:۲]

پس خیر و شر کی ہر چیز جو ہونے والی ہے اللہ کے فیصلے، تقدیر، مشیت اور ارادے سے ہوتی ہے۔ (سیدنا) علی رضی للہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی دعا میں یہ الفاظ بھی فرمائے: ((والخير كله في يديك والشر ليس إليك)) ساری خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف (لے جانے والا) نہیں ہے (صحیح مسلم:۷۷۱) اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کے فیصلے اور تخلیق کے مطابق شر واقع نہیں ہوتا۔ اس کا معنی صرف یہ ہے کہ اللہ نے بغیر کسی حکمت اور فائدے کے محض شر پیدا نہیں کیا اور دوسرے یہ کہ مطلق شر کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ (دلائل عامہ کے تحت) عموم میں داخل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ [الزمر:۶۲] اور فرمایا ﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو

قدر (تقدیر واندازے) سے پیدا کیا۔ [القمر:۴۹]

صرف اکیلے شر کے ساتھ اللہ کی طرف نسبت سے ادب سیکھنا چاہئے۔ اسی لئے جنوں نے اللہ کی طرف خیر کی نسبت کر کے ادب کا اظہار کیا تھا۔ انھوں نے شر کو مجہول کے صیغے سے بیان کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے (جنوں کا قول نقل) فرمایا: ﴿وَاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ اور ہمیں پتا نہیں کہ کیا زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کا رب اُن کی ہدایت چاہتا ہے۔ [الجن:۱۰]

تقدیر کے سابقہ چاروں درجوں میں اللہ کی مشیئت اور ارادہ بھی ہے۔ مشیئت اور ارادے میں فرق یہ ہے کہ کتاب وسنت میں مشیئت کا ذکر تکوینی وتقدیری طور پر ہی آیا ہے۔ اور ارادے کا معنی کبھی تکوینی معنی اور کبھی شرعی معنی پر آتا ہے۔ تکوینی وتقدیری معنی کے لئے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ﴾ اور تمھیں میری نصیحت فائدہ نہیں دے سکتی اگرچہ میں تمھیں نصیحت کرنا چاہوں اگر تمھیں اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہتا ہو۔ [ھود:۳۴]

اور فرمایا: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ پس اللہ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ کرے تو اس کے دل کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے دل کو تنگ (حق کو نہ ماننے والا) کر دیتا ہے۔ [الانعام:۱۲۵]

شرعی ارادے کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور وہ تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں کرتا۔ [البقرۃ:۱۸۵]

اور فرمایا: ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اللہ اس کا ارادہ نہیں کرتا کہ تمھیں حرج میں

ڈال دے لیکن وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمھیں پاک کر دے اور اپنی نعمت تم پر پُوری کر دے تا کہ تم شکر کرو۔ [المآئدۃ:٦]

ان دونوں ارادوں میں یہ فرق ہے کہ تکوینی ارادہ عام ہے چاہے اللہ تعالیٰ خوش ہو یا ناراض ہو۔ شرعی ارادہ صرف اسی کے بارے میں ہوتا ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور راضی ہوتا ہے۔

تکوینی ارادہ واقع ہو کر ہی رہتا ہے اور دینی ارادہ اس آدمی کے حق میں واقع ہوتا ہے جسے اللہ توفیق دے۔ اور جسے وہ توفیق نہ دے تو وہ شخص اس سے محروم رہتا ہے۔ کچھ اور بھی کلمات ہیں جو تکوینی و شرعی معنوں میں آتے ہیں، انھی میں سے فیصلہ، تحریم، اذن، کلمات اور امر وغیرہ ہے۔

ابن القیم نے اپنی کتاب ''شفاء العلیل'' کے انتیسویں (٢٩) باب میں ان کو ذکر کیا ہے اور قرآن وسنت سے ان کے دلائل لکھے ہیں۔

ہر چیز جسے اللہ نے لوحِ محفوظ میں لکھا ہے، اس کی تقدیر مقرر کی ہے اور اس کے وقوع کا فیصلہ کیا ہے تو اُس چیز نے ضرور بالضرور ہو کر رہنا ہے۔ نہ اس میں تغیر ہوتا ہے اور نہ تبدیلی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ زمین اور تمھاری جانوں میں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ واقع ہونے سے پہلے ہم نے کتاب میں درج کر دی ہے۔ [الحدید:٢٢]

اور اس میں سے حدیث ہے ''قلم اُٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔'' [دیکھئے ص ٦١/الاصل]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اُسی کے پاس اُم الکتاب ہے۔ [الرعد:٣٩]

اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت کریمہ شریعتوں سے متعلق ہے۔ اللہ شریعتوں میں سے جسے چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے حتیٰ کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے ساتھ رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا، آپ کی شریعت نے سابقہ ساری

شریعتوں کومنسوخ کر دیا۔اس کی دلیل اس آیت میں ہے جو اس سے پہلے ہے ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی رسول بھی کوئی نشانی نہیں لاسکتا، ہر وقت کے لئے ایک کتاب ہے یعنی ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔[الرعد:۳۸]

اور اس کی یہ تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس سے وہ مقداریں مراد ہیں جو لوح محفوظ میں نہیں ہیں۔جیسا کہ بعض کام فرشتوں کے ذریعے سے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ ابن القیم کی کتاب شفاء العلیل کے ابواب (۲،۴،۵،۶) دیکھیں۔ ہر باب کے تحت انھوں نے لوح محفوظ کے علاوہ ایک ایک خاص تقدیر بیان کی ہے۔آپ ﷺ کی حدیث ہے کہ ''قضاء (تقدیر) کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی ہی کے ذریعے سے اضافہ ہوتا ہے'' [سنن الترمذی:۲۱۳۹،اسے امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے نیز دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی:۱۵۴]

یہ حدیث لوح محفوظ میں تغیر (وتبدیلی) کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تو صرف اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے شر سے سلامتی مقدر میں رکھی ہے اور اس سلامتی کے لئے اسباب مقرر کئے ہیں۔معنی یہ ہے کہ اللہ نے بندے سے شر دور کر دیا۔ یہ دُوری اس فعل یعنی دعا کے سبب اس کے مقدر میں لکھی گئی تھی اور یہی مقدر تھا۔اور اسی طرح یہ مقدر میں لکھا گیا کہ انسان کی عمر لمبی ہے اور یہ بھی مقدر کر دیا گیا کہ درازئ عمر (فلاں) سبب سے ہوگی اور یہ نیکی وصلہ رحمی ہے۔پس اسباب اور وجۂ اسباب سب اللہ کی قضاوقدر سے ہیں۔

آپ ﷺ کی حدیث ''اللہ جسے پسند کرتا ہے تو اس کا رزق کشادہ کر دیتا ہے۔یا اس کی عمر دراز کر دیتا ہے، پس صلہ رحمی کرو'' (صحیح البخاری:۲۰۶۷ وصحیح مسلم:۲۵۵۷) کا بھی یہی مطلب ہے۔ ہر انسان کا وقت لوح محفوظ میں مقرر ہے۔نہ آگے ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ﴾ اور جب کسی نفس کا وقت آجائے تو اللہ اسے مؤخر نہیں کرتا۔ [المنٰفقون:۱۱]

اور فرمایا ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا

یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ ہراُمت کے لئے ایک وقت ہے۔ جب ان کا وقت آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہوتا ہے اور نہ آگے ہوتا ہے۔ [یونس:۴۹]

اور جو آدمی مرتا یا قتل ہوتا ہے تو وہ اپنی اَجل کی وجہ سے مرتا یا قتل ہوتا ہے۔ معتزلہ کی طرح یہ نہیں کہنا چاہئے کہ مقتول کی اجل کاٹ دی گئی اور اگر وہ قتل نہ ہوتا تو دوسری اجل تک زندہ رہتا۔ کیونکہ ہر انسان (کے مرنے) کا ایک ہی وقت مقرر ہے۔ اس وقت کے لئے اسباب مقرر ہیں، یہ بیماری سے مرے گا اور یہ ڈوبنے سے مرے گا اور یہ قتل ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔

تقدیر کے بہانے نیکی کے نہ کرنے اور گناہوں کے کرنے پر استدلال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جس نے گناہ کیا تو شریعت میں اس کی ایک مقرر سزا ہے۔ اگر اس نے اپنے گناہ کا یہ عذر پیش کیا کہ یہ اس کی قسمت میں تھا تو اسے شرعی سزا دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اس گناہ کی یہ سزا تیری قسمت میں تھی۔

حدیث میں جو آیا ہے کہ آدم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان تقدیر پر بحث ومباحثہ ہوا تھا۔ یہ گناہ کرنے پر تقدیر سے استدلال والا معاملہ نہیں ہے۔ یہ تو اس مصیبت کا ذکر ہے جو معصیت کے سبب واقع ہوئی۔

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم اور موسیٰ نے بحث ومباحثہ کیا تو موسیٰ نے آدم سے کہا: تُو وہ آدم ہے جسے اس کی خطا (لغزش) نے جنت سے نکال دیا تھا۔ تو آدم نے جواب دیا: تُو وہ موسیٰ ہے جسے اللہ نے رسالت اور کلام کرنے سے نوازا۔ پھر تو مجھے اس چیز پر ملامت کرتا ہے جو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دی تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ فرمایا: پس آدم موسیٰ (علیہما السلام) پر غالب آگئے۔ [صحیح بخاری:۳۴۰۹ و صحیح مسلم:۲۶۵۲]

ابن القیم نے اپنی کتاب ''شفاء العلیل'' میں اس حدیث پر بحث کے لئے تیسرا باب قائم کیا ہے۔ انھوں نے اس حدیث کی تشریح میں باطل اقوال کا (بطورِ رد) ذکر کیا اور

وہ آیات ذکر کیں جن میں آیا ہے کہ مشرکین اپنے شرک پر تقدیر سے استدلال کرتے تھے۔ اللہ نے ان مشرکین کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ وہ اپنے شرک و کفر پر قائم (اور ڈٹے ہوئے) تھے۔ انھوں نے جو بات کہی وہ حق ہے لیکن اس کے ساتھ باطل پر استدلال کیا گیا ہے۔ پھر انھوں نے اس حدیث کے معنی پر دو توجیہات ذکر کیں، پہلی توجیہ اُن کے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ہے اور دوسری اُن کے اپنے فہم واستنباط سے ہے۔

ابن القیم فرماتے ہیں کہ ''جب آپ نے اسے پہچان لیا تو موسیٰ (علیہ السلام) اللہ اور اس کے اسماء وصفات کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر تھے، لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اُس خطا پر ملامت کریں جس سے خطا کرنے والے نے توبہ کر رکھی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اسے (اپنے لئے) چُن لیا، راہنمائی کی اور خاص منتخب کر لیا۔ آدم (علیہ السلام) اپنے رب کے بارے میں سب سے زیادہ پہچان رکھتے تھے کہ وہ معصیت پر قضا وقدر سے استدلال کریں۔ بات یہ ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے آدم (علیہ السلام) کو اُس مصیبت پر ملامت کی تھی جس کے سبب سے اولادِ آدم کا جنت سے خروج اور دنیا میں نزول ہوا، جو آزمائش اور امتحان کا گھر ہے۔ اس کی وجہ اولادِ آدم کے باپ (سیدنا آدم علیہ السلام) کی لغزش ہے۔ پس انھوں نے لغزش کا ذکر بطورِ تنبیہ کیا، اس مصیبت اور آزمائش پر جو آدم علیہ السلام کی ذریت واولاد کو حاصل ہوئی۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے فرمایا: ''آپ نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکال دیا''، بعض روایات میں ''خَيَّبْتَنَا'' (آپ نے ہمیں محروم کر دیا) کا لفظ آیا ہے۔ پس آدم (علیہ السلام) نے مصیبت پر تقدیر سے استدلال کیا اور فرمایا: بے شک یہ مصیبت جو میری لغزش کی وجہ سے میری اولاد کو پہنچی میری تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ تقدیر سے مصیبتوں میں استدلال کیا جا سکتا ہے لیکن عیوب (اور گناہوں کے جواز) میں اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی آپ مجھے اس مصیبت پر کیوں ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے اتنے سال پہلے، میرے اور آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی، یہ جواب ہمارے شیخ (ابن تیمیہ) رحمہ اللہ کا ہے اس کا دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گناہ پر تقدیر سے استدلال

بعض جگہ فائدہ دے سکتا ہے اور بعض جگہ نقصان دہ ہے۔ اگر گناہ کے واقع ہونے کے بعد آدمی توبہ کرے اور دوبارہ یہ گناہ نہ کرے تو تقدیر سے استدلال کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آدم (علیہ السلام) نے (اپنی لغزش کے بعد) کیا۔ اس طریقے سے تقدیر کے ذکر میں توحید اور رب تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت ہے۔ اس کے ذکر سے بیان کرنے والے اور سننے والے کو نفع ہوتا ہے کیونکہ تقدیر (کے ذکر) سے کسی امر ونہی کی مخالفت نہیں ہوتی اور نہ شریعت کا ابطال ہوتا ہے۔ بلکہ محض حق کو توحید اور تبدیلی وقوت سے براءت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی توضیح اس سے (بھی) ہوتی ہے کہ آدم (علیہ السلام) نے موسیٰ (علیہ السلام) سے فرمایا:

''کیا آپ میرے اس عمل پر ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے پہلے میرے مقدر میں لکھا ہوا تھا؟'' جب آدمی گناہ کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو وہ معاملہ اس طرح زائل اور ختم ہو جاتا ہے گویا یہ کام ہوا ہی نہیں تھا۔ پس اب اگر کسی ملامت کرنے والے نے اسے اس گناہ پر ملامت کیا تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ تقدیر سے استدلال کرے۔ اور کہے: ''یہ کام میری پیدائش سے پہلے میرے مقدر میں تھا'' اس آدمی نے تقدیر کے ذریعے سے حق کا انکار نہیں کیا اور نہ باطل پر دلیل قائم کی ہے اور نہ ممنوع بات کے جواز پر حجت بازی کی ہے۔

رہا وہ مقام جس پر تقدیر سے استدلال نقصان دہ ہے وہ حال اور مستقبل سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی کوئی آدمی فعلِ حرام کا ارتکاب کرے یا کسی واجب (فرض) کو ترک کر دے، پھر کوئی آدمی اسے اس پر ملامت کرے تو پھر وہ گناہ پر قائم رہنے اور اصرار کرنے میں تقدیر سے استدلال کرے۔ یہ شخص اپنے استدلال سے حق کو باطل کرنا اور باطل کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے جیسا کہ شرک اور غیر اللہ کی عبادت پر اصرار کرنے والے کہتے تھے ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے [الانعام:۱۴۸] ﴿لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ﴾ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان (معبودانِ باطلہ) کی عبادت نہ کرتے۔ [الزخرف:۲۰]

انھوں نے اپنے باطل عقائد کو صحیح سمجھتے ہوئے تقدیر سے استدلال کیا۔ انھوں نے

اپنے (شرکیہ وکفریہ) فعل پر کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا نہ اس کے ترک کا ارادہ کیا اور نہ اس کے فاسد ہونے کا اقرار کیا۔

یہ اس آدمی کے استدلال کے سراسر مخالف ہے جس پر اُس کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، وہ نادم (پشیمان) ہو جاتا ہے اور پکا ارادہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ غلطی نہیں کرے گا۔ پھر اس (توبہ) کے بعد اگر کوئی اسے ملامت کرے تو کہتا ہے: ''جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ کی تقدیر کی وجہ سے ہوا ہے۔'' اس مسئلے کا (بنیادی) نکتہ یہ ہے کہ اگر وجۂ ملامت دُور ہو جائے تو تقدیر سے استدلال صحیح ہے اور اگر وجۂ ملامت باقی رہے تو تقدیر سے استدلال باطل ہے...''

[شفاء العلیل ص ۳۵، ۳۶]

تقدیر کے بارے میں قدریہ اور جبریہ دونوں فرقے گمراہ ہوئے ہیں۔ قدریہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں، اللہ نے یہ افعال ان کی تقدیر میں نہیں لکھے ہیں۔ ان کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی حکومت میں بندوں کے جو افعال واقع ہوتے ہیں وہ اس کا مقدر (مقرر شدہ) نہیں ہیں۔ یہ بندے اپنے افعال پیدا کرنے میں اللہ سے بے نیاز ہیں اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا خالق نہیں ہے بلکہ بندے اپنے افعال کے خالق ہیں۔ یہ عقیدہ بہت ہی باطل عقیدہ ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کا خالق ہے اور بندوں کے افعال کا (بھی) خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ ذاتوں اور صفتوں سب کا خالق ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ کہہ دو کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ اکیلا قہار (سب پر غالب) ہے۔ [الرعد: ۱۶]

اور فرمایا: ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر وکیل (محافظ ونگران) ہے۔ [الزمر: ۶۲]

اور فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم جو اعمال کرتے ہو انھیں (بھی) پیدا کیا ہے۔ [الصّٰفّٰت: ۹۶]

جبریہ (فرقے) نے بندوں سے اختیار چھین لیا ہے، وہ اس کے لئے کسی مشیت اور

ارادے کے قائل نہیں ہیں۔ انھوں نے اختیاری حرکات اور اضطراری حرکات کو برابر کر دیا ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی ساری حرکات اس طرح ہیں جس طرح کہ درختوں کی حرکات ہیں۔ کھانے والے، پینے والے، نمازی اور روزہ دار کی حرکات اس طرح ہیں جیسے رعشہ والے کی حرکات ہوتی ہیں، ان میں انسان کے کسب اور ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اس طرح تو پھر رسولوں کے بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ بندے کے پاس مشیت اور ارادے کی طاقت ہے۔ اچھے اعمال پر اس کی تعریف کی جاتی ہے اور بُرے اعمال پر اس کی مذمت کی جاتی ہے اور اُسے سزا ملتی ہے۔ بندے کے اختیاری افعال اسی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں (نیکی و بدی کا مرتکب وہی ہوتا ہے) رہی اضطراری حرکات جیسے رعشہ والے کی حرکت تو یہاں یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ اس کا فعل ہے۔ یہ تو اس کی ایک صفت ہوتی ہے۔

اسی لئے تو فاعل کی تعریف میں نحوی حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ اسم مرفوع ہے جو اُس پر دلالت کرتا ہے جس سے کوئی حَـدَث (فعل) صادر ہوتا ہے یا جس کا وہ قام بـہ ہوتا ہے یعنی اس کا صدور اس سے ہوتا ہے۔ حَدَث سے اُن کی مراد وہ اختیای افعال ہیں جو بندے کی مشیت اور ارادے سے واقع ہوتے ہیں۔ قیامِ حدث سے ان کی مراد وہ اُمور ہیں جو مشیت کے تحت نہیں آتے جیسے موت، مرض اور ارتعاش (رعشہ) وغیرہ۔ پس اگر کہا جائے کہ زید نے کھایا، پیا، نماز پڑھی اور روزہ رکھا تو اس میں زید فاعل ہے جس سے حَدَث (فعل) حاصل ہوا ہے۔ یہ حَدَث کھانا، پینا، نماز اور روزے ہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ زید بیمار ہوا، زید مر گیا یا اس کے ہاتھوں میں رعشہ ہوا تو یہ حَدَث زید کے (ارادی) فعل سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کی صفت ہے جس کا صدور اُس سے ہوا ہے۔

اہل السنّت والجماعت اثبات تقدیر میں غالی جبریوں اور انکار کرنے والے قدریوں کے درمیان ہیں۔ انھوں نے بندے کیلئے مشیت کا اثبات کیا ہے اور رب کے لئے مشیت عام کا اثبات کرتے ہیں۔ انھوں نے بندے کی مشیت کو اللہ کی مشیت کے تابع

قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيمَ ○ وَمَا تَشَآءُ وْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اس کے لئے جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ [التکویر: ۲۸، ۲۹]

اللہ کی حکومت میں جو وہ نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا۔

اس کے برخلاف قدریہ کہتے ہیں کہ ''بندے اپنے افعال پیدا کرتے ہیں'' بندوں کو ان چیزوں پر عذاب نہیں ہو سکتا جن میں اُن کا کوئی ارادہ ہے اور نہ مشیئت جیسا کہ جبریہ کا قول ہے۔ اسی میں اُس سوال کا جواب ہے جو کہ بار بار کیا جاتا ہے کہ کیا بندہ مجبورِ محض ہے یا وہ (کُلی) بااختیار ہے؟ تو (عرض ہے کہ) نہ وہ مطلقاً مجبورِ محض ہے اور نہ مطلقاً بااختیار ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک اعتبار سے بااختیار ہے کہ اسے مشیئت اور ارادہ حاصل ہے۔ اور اس کے اعمال اُسی کا کسب (کمائی) ہیں۔ نیک اعمال پر اسے ثواب ملے گا اور بُرے اعمال پر اسے سزا ملے گی۔ وہ ایک اعتبار سے مُسَیَّر (مجبور) ہے۔ اس سے ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہوتی جو اللہ کی مشیئت، ارادے، تخلیق اور ایجاد سے خارج ہو۔

جو بھی ہدایت اور گمراہی (بندے کو) حاصل ہوتی ہے تو وہ اللہ کی مشیئت اور ارادے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ نے بندوں کے لئے خوش بختی کا راستہ اور گمراہی کا راستہ، دونوں واضح کر دیئے ہیں۔ اللہ نے بندوں کو عقل دی ہے جس سے وہ نفع اور نقصان کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ جو شخص خوش بختی کا راستہ اختیار کر کے اس پر چلا تو اسے یہ خوش بختی (جنت) کی طرف لے جائے گا۔ یہ کام بندے کی مشیئت اور ارادے سے واقع ہوا ہے جو کہ اللہ کی مشیئت اور ارادے کے تابع ہے۔ اور یہ اللہ کا فضل و احسان ہے۔ جس شخص نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور اس پر چلا تو یہ اسے بدبختی (جہنم) کی طرف لے جائے گا۔ یہ کام بندے کی مشیئت اور ارادے سے ہوا ہے جو کہ اللہ کی مشیئت اور ارادے کے تابع ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عدل و انصاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، ایک

زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور اس کی دو راستوں (شر اور خیر) کی طرف راہنمائی نہیں کی؟[البلد:۸۔۱۰]

اور فرمایا:﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ ہم نے اسے راستہ دکھایا تا کہ وہ شکر کرنے والا بنے یا ناشکرا بنے۔[الدھر:۳]

اور فرمایا:﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کردے تو آپ اس (شخص) کا ولی (مددگار) مرشد و ہدایت دینے والا نہیں پائیں گے۔[الکھف:۱۷]

ہدایتیں دو طرح کی ہیں (۱) ہدایتِ دلالت وارشاد، یہ ہر انسان کو حاصل ہے یعنی ہر انسان سے یہی مطلوب ہے کہ وہ ہدایت اسلام پر چلے (۲) ہدایتِ توفیق، یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جسے اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے۔

پہلی ہدایت کی دلیلوں میں سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے:﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور بے شک آپ صراطِ مستقیم (سیدھے راستے) کی طرف راہنمائی کرتے ہیں[الشوریٰ:۵۲] یعنی آپ ہر ایک کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ دوسری ہدایت کی دلیلوں میں سے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ آپ جسے (ہدایت دینا) چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔[القصص:۵۶]

اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں ہدایتیں اس ارشاد میں اکٹھی کردی ہیں:﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بُلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔[یونس:۲۵]

''اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے'' یعنی ہر ایک کو (بلاتا ہے)۔ مفعول کو عموم کے لئے حذف کیا گیا ہے اور یہ ہدایت دلالت وارشاد ہے۔ ''اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے'' اس میں خصوصیت قائم کرنے کے لئے مفعول کو ظاہر کردیا گیا ہے اور یہ ہدایت توفیق ہے۔

الحدیث:۳۱ حافظ ندیم ظہیر

فضائلِ اعمال

ذکر کی فضیلت

۱۰۰) ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے وقت یا اس کے بعد اُن (جویریہ رضی اللہ عنہا) کے پاس سے گزرے اور وہ اپنی جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے بعد آئے اور وہ (اُسی جگہ) بیٹھی ہوئی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم ابھی تک اسی طرح (بیٹھی ہوئی) ہو جس طرح میں تمھیں چھوڑ کر گیا تھا؟

انھوں (جویریہ رضی اللہ عنہا) نے کہا: جی ہاں!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: البتہ تمھارے بعد میں نے چار کلمات تین بار کہے ہیں، اگر اِن (کلمات) کا موازنہ اُن سے کیا جائے جو تم نے اب تک کہا ہے تو (یہ) بھاری ہوں گے:

((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ))

ایک روایت میں ہے ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ، سُبْحَانَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ)) (صحیح مسلم:۲۷۲۶)

فوائد:

بہت سے ایسے اعمال ہیں کہ جن میں محنت و مشقت کم ہوتی ہے لیکن اُن کا اجر و ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اپنے بندوں پر خصوصی انعام ہے۔ مذکورہ کلمات انھی اعمال میں سے ہیں۔

دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذکرِ الٰہی کے لئے جگہ مخصوص کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ چل پھر کر بھی یہ عمل سرانجام دیا جا سکتا ہے۔

۱۰۱) سیدنا ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس سے

گزرے اور وہ اپنے دونوں ہونٹوں کو حرکت دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو امامہ! کیا کہہ رہے ہو؟ انھوں (ابو امامہ) نے کہا: میں اپنے رب کا ذکر کر رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں (ایسے ذکر کے بارے میں) نہ بتاؤں جو دن رات کے ذکر سے افضل ہے۔ یہ کہ تم کہو: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ مَاخَلَقَ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا فِي الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ مَا فِي الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا اَحْصٰى كِتَابَهٗ ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ كُلِّ شَيْءٍ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ كُلِّ شَيْءٍ)) اور اسی طرح تم کہو ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) اور ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ)) (النسائی فی عمل الیوم واللیلہ: ۱۶۶)

فوائد:

یہ روایت محمد بن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ یہ روایت عن سے ہے اور مدلس کی روایت صراحتِ سماع کے بغیر ضعیف ہوتی ہے۔

بازار میں تہلیل کی فضیلت

۱۰۲) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بازار میں داخل ہو اور یہ دعا پڑھے: ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے، ایک لاکھ خطائیں معاف کر دیتا ہے اور ایک لاکھ درجات بلند کر دیتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۴۲۹، سنن ابن ماجہ: ۲۲۳۵)

فوائد:

یہ روایت کئی طریق سے مروی ہے لیکن تمام طرق ضعیف ہیں۔ سنن ترمذی کی روایت میں ازہر بن سنان راوی ضعیف ہے اور سنن ابن ماجہ میں حماد بن عمرو ضعیف ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت کتاب الدعاء للطبرانی (۷۹۲، ۷۹۳) مستدرک حاکم (۵۳۹/۱ ح ۱۹۷۵)

وغیرہ میں بھی ضعیف سندوں کے ساتھ موجود ہے۔ الغرض مذکورہ روایت اپنے تمام طرق کے ساتھ ضعیف ہے۔

کفارۂ مجلس کی دعا

۱۰۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور اس میں بہت لغو باتیں کیں، وہ اپنی اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے (یہ دعا) پڑھے: ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ)) تو جو (خطائیں) اس مجلس میں ہوئی ہیں، وہ معاف کر دی جاتی ہیں۔
(سنن ترمذی: ۳۴۳۳، صحیح)

فوائد:

لغویات وفضولیات سے کلی طور پر اجتناب کرنا چاہئے اور ایسی مجالس میں جانے سے احتراز بھی ضروری ہے لیکن کسی مجلس میں نادانستہ غلطی کا ارتکاب یا سبقتِ لسانی کی وجہ سے لغزش وغیرہ ہو جائے تو مذکورہ دعا پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔

استغفار کی فضیلت

۱۰۴) سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ تم کہو: ((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَآاِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَااسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ)) اگر اس کو شام کے بعد پڑھے (اور) اسی رات کو مر گیا تو جنت میں داخل ہوگا اور اگر بعد از صبح پڑھے (اور) اسی دن مر گیا تو جنت میں داخل ہوگا۔ (بخاری: ۶۳۰۶، ۶۳۲۳)

فوائد: مذکورہ کلمات بہت زیادہ اہمیت وفضیلت کے حامل ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کو سید الاستغفار کہا جاتا ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

توضيح الأحكام

سوال و جواب رتخریج الاحادیث

کیا ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ دوزخی تھے؟

سوال: ایک روایت میں آیا ہے کہ ''قاتل عمار و سالبه فی النار '' عمار (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے والا اور ان کا سامان چھیننے والا آگ میں ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ (۱۸/۵۔۲۰ ح ۲۰۰۸)

یہ بھی ثابت ہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو جنگِ صفین میں ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے شہید کیا تھا۔ دیکھئے مسند احمد (۷۶/۴ ح ۱۶۶۹۸ وسندہ حسن)

کیا یہ صحیح ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ دوزخی ہیں؟ (حافظ طارق مجاہد یزمانی)

الجواب: الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين ،

أما بعد: جس روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا اور ان کا سامان چھیننے والا آگ میں ہے، اُس کی تخریج و تحقیق درج ذیل ہے:

① **ليث بن أبي سليم عن مجاهد عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ... إلخ**

(ثلاثۃ مجالس من الامالی لابی محمد المخلدی ۱/۷۵۔۲، السلسلۃ الصحیحۃ ۱۸/۵، الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم ۱۰۲/۲ ح ۸۰۳)

یہ سند ضعیف ہے۔ لیث بن ابی سلیم جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے، بوصیری نے کہا: ''ضعفه الجمهور'' جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (زوائد ابن ماجہ: ۲۰۸، ۲۳۰)

ابن الملقن نے کہا: '' وهو ضعيف عند الجمهور '' وہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (خلاصۃ البدر المنیر: ۷۸، البدر المنیر ۱۰۴/۲)

امام نسائی نے فرمایا: '' ضعيف كوفي'' (کتاب الضعفاء:۵۱۱)

② المعتمر بن سليمان التيمي عن أبيه عن مجاهد عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ ...إلخ (المستدرک للحاکم ۳۸۷/۳ ح ۵۶۶۱ وقال الذہبی فی التلخیص: علیٰ شرط البخاری ومسلم)

یہ سند سلیمان بن طرخان التیمی کے '' عن '' کی وجہ سے ضعیف ہے۔ سلیمان التیمی مدلس تھے، دیکھئے جامع التحصیل (ص ۱۰۶) کتاب المدلسین لابی زرعۃ ابن العراقی (۲۴) اسماء من عرف بالتدلیس للسیوطی (۲۰) التبیین لأسماء المدلسین للحلبی (ص ۲۹) قصیدۃ المقدسی وطبقات المدلسین للعسقلانی (۲/۵۲) امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: '' كان سليمان التيمي يدلّس''، سلیمان التیمی تدلیس کرتے تھے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳۶۰۰)

امام ابن معین کی اس تصریح کے بعد سلیمان التیمی کو طبقۂ ثانیہ یا اولیٰ میں ذکر کرنا غلط ہے بلکہ حق یہ ہے کہ وہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں لہٰذا اس روایت کو '' صحيح على شرط الشيخين '' نہیں کہا جا سکتا۔

③ ''أبو حفص و كلثوم عن أبي غادية قال ... فقيل قتلت عمار بن ياسر وأخبر عمرو بن العاص فقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن قاتله وسالبه في النار'' إلخ (طبقات ابن سعد ۲۶۱/۳ واللفظ لہ، مسند احمد ۱۹۸/۴، الصحیحۃ ۱۹/۵)

اس روایت کے بارے میں شیخ البانی نے کہا: '' وهذا إسناد صحيح ، رجاله ثقات رجال مسلم...''

عرض ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ تک اس سند کے صحیح ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ''قاتله وسالبه في النار '' والی روایت بھی صحیح ہے۔

ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''فقيل ...'' إلخ پس کہا گیا کہ تو نے عمار بن یاسر کو قتل کیا ہے اور عمرو بن العاص کو یہ خبر پہنچی ہے تو انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک اس (عمار) کا قاتل اور سامان لوٹنے والا آگ میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس روایت کا راوی ''فقيل '' کا فاعل ہے جو نامعلوم (مجہول) ہے۔

راوی اگر مجہول ہو تو روایت ضعیف ہوتی ہے لہٰذا یہ '' فــي الـنــار '' والی روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے۔ '' إسناده صحيح '' نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت دوراوی بیان کرر ہے ہیں: (۱) ابوحفص: مجہول (۲) کلثوم بن جبر: ثقہ

امام حماد بن سلمہ رحمہ اللہ نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کی انھوں نے کس راوی کے الفاظ بیان کئے ہیں؟ ابوحفص (مجہول) کے یا کلثوم بن جبر (ثقہ) کے اور اس بات کی بھی کوئی صراحت نہیں ہے کہ کیا دونوں راویوں کے الفاظ من وعن ایک ہیں یا ان میں اختلاف ہے۔

خلاصة التحقيق: یہ روایت اپنی تینوں سندوں کے ساتھ ضعیف ہے لہٰذا اسے صحیح کہنا غلط ہے۔

تنبیہ: ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو جنگِ صفین میں شہید کرنا ان کی اجتہادی خطا ہے جس کی طرف حافظ ابن حجر العسقلانی نے اشارہ کیا ہے۔ دیکھئے الاصابۃ (۱۵۱/۴ ت ۸۸۱، ابوالغادیۃ الجہنی) وما علينا إلا البلاغ (۵ رمضان ۱۴۲۷ھ)

سلفی

ابوثاقب محمد صفدر حضروی

حافظ ابوسعد عبدالکریم بن محمد السمعانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۶۲ھ) نے سلفی کے بارے میں کہا: یہ سلف کی طرف نسبت ہے۔ [الانساب ۲۷۳/۳]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: (سلفی اسے کہتے ہیں) جو سلف کے مذہب پر ہو۔ [سیر اعلام النبلاء ۶/۲۱]

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' لاعيب من أظهر مذهب السلف وانتسب إليه واعتزى إليه بل يجب قبول ذلك منه بالإتفاق فإن مذهب السلف لا يكون إلا حقاً ''

جو شخص سلف کا مذہب ظاہر کرے اور سلفیت کی طرف نسبت کرے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کے اعلان کو قبول کرنا بالاتفاق واجب ہے کیونکہ سلف کا مذہب حق ہی ہے۔ [مجموع فتاویٰ ۱۴۹/۴]

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

غیر ثابت قصے

اکتیسواں (۳۱) قصہ: ایک شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قصہ

سیدنا ابوالعباس سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں کہ جس پر میں عمل پیرا ہوں تو اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت فرمائے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ازهد في الدنيا يحبُّك الله و ازهد فيما عندالناس يحبك الناس))

دنیا سے بے رغبت ہو جا۔ اللہ تجھ سے محبت کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اُس سے بے نیاز ہو جا تو لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔ (منکر روایت ہے)

تخریج: یہ روایت ابن ماجہ (۴۱۰۲) عقیلی (۱۱/۲) ابونعیم (حلیۃ الاولیاء ۲۵۲/۳، اخبار اصبہان ۲۴۴/۲) حاکم (۳۱۳/۴) بیہقی (شعب الایمان ۳۴۴/۷ ح ۱۰۵۲۲ وقال: خالد بن عمرو ھذا ضعیف) طبرانی (المعجم الکبیر ۱۹۳/۶ ح ۵۹۷۲) ابن عدی (الکامل ۹۰۲/۳) ابن حبان (روضۃ العقلاء ص ۱۴۱) القضاعی (مسند الشہاب ۳۷۳/۱) ابن الجوزی (الحدائق ۱۵۹/۳) دیلمی (مسند الفردوس ۵۲۴/۱) اور ضیاء المقدسی نے فضائل الاعمال (۶۹۴) میں ''**خالد بن عمرو القرشي عن سفيان الثوري عن أبي حازم عن سهل بن سعد**'' کی سند سے بیان کی ہے۔

جرح: یہ سند ساقط ہے۔ اس میں خالد بن عمرو القرشی ہے، اس کے متعلق احمد (بن حنبل) نے فرمایا: یہ ثقہ نہیں اور بخاری نے فرمایا: یہ منکر الحدیث ہے.... ابوزرعہ نے اس کی حدیث پھینک دی....

حوالے: دیکھئے میزان الاعتدال (۱۵۸/۲) اور المجرد فی اسماء الرجال للذہبی (ص ۱۹۸

رقم: ۱۵۸۷) [کتاب الضعفاء للبخاری: ۱۰۳، العلل لاحمد (۲۳۴/۲ ت ۱۶۸۴، دوسرا نسخہ: ۵۱۲۲) سوالات البرذعی لابی زرعہ (۴۴۶/۲)]

علامہ فوزی فرماتے ہیں کہ میں نے ''**الأضواء السماوية في تخريج أحاديث الأربعين النووية**'' میں اس کی تخریج پر تفصیلی بیان کیا ہے اور وہیں اس کے طرق بھی بیان کئے ہیں اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

عرضِ مترجم: علامہ الفوزی کی یہ تخریج ہمارے پیشِ نظر نہیں ہے۔ البتہ ہمارے استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں: ''**ضعيف: خالد رماه ابن معين بالكذب ونسبه صالح جزرة وغيره إلى الوضع (تق: ۱۶۶۰) وله متابعات مردودة و شواهد ضعيفة**'' خالد کو ابن معین نے کذب سے متہم کیا اور صالح جزرہ اور دیگر محدثین نے اسے حدیث گھڑنے کی طرف منسوب کیا۔ (تقریب التہذیب: ۱۶۶۰)

اس روایت کے کچھ مردود متابعات بھی ہیں اور کچھ ضعیف شواہد بھی۔

(ضعیف سنن ابن ماجہ: رقم ۴۱۰۲، انوار الصحیفہ ص ۳۶۸)

تنبیہ: خالد پر صالح جزرہ کی یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں ہے لیکن امام احمد، امام بخاری اور امام ابوحاتم الرازی وغیرہم کی شدید جرح ثابت ہے لہذا یہ متروک راوی ہے۔

بتیسواں (۳۲) قصہ: اُم ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا کا قصہ

اُم ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ بدر کے لئے نکلے تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی اپنے ساتھ غزوہ میں چلنے کی اجازت دیجئے، میں آپ کے مریضوں کی دیکھ بھال کروں گی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرما دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: ''اپنے گھر میں ٹھہری رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت عطا فرمائے گا۔'' آپ کو ''شہیدہ'' کہا جاتا تھا، آپ نے قرآن مجید پڑھ رکھا تھا۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں ایک مؤذن رکھنے کی اجازت طلب کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ کے پاس ایک تاحیات غلام اور ایک تاحیات لونڈی تھی۔ ایک رات وہ دونوں اٹھے اور آپ کے پاس آئے آپ کو ایک کمبل میں ڈھانک دیا، یہاں تک کہ (دم گھٹنے کی وجہ سے) فوت ہو گئیں تو وہ دونوں بھاگ گئے۔

صبح کے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: جس کسی کو اُن دونوں کے متعلق کچھ علم ہو یا کسی نے انھیں دیکھا ہو تو انھیں میرے پاس لے آئیں۔ (جب وہ لائے گئے) تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں پھانسی دینے کا حکم دیا۔ یہ دو پہلے آدمی تھے جنھیں مدینے میں سب سے پہلے پھانسی دی گئی۔ (یہ ضعیف روایت ہے۔)

تخریج: یہ روایت امام بخاری (التاریخ الصغیر ۱/۰۷) اسحاق بن راہویہ (المسند ۲۳۵/۵) احمد (المسند ۴۰۵/۶) دارقطنی (۴۰۳/۱) ابن المنذر (الاوسط ۲۲۶/۴) ابن سعد (الطبقات الکبریٰ ۴۵۷/۸) ابونعیم (حلیۃ الاولیاء ۶۳/۲) بیہقی (السنن الکبریٰ ۱۳۰/۳) اور المروزی نے قیام رمضان (ق ۹۸/ ط) میں ''**الوليد بن جميع: حدثتني جدتي ليلىٰ بنت مالك عن أم ورقة**'' کی سند سے بیان کی ہے۔

جرح: اس کی سند ضعیف ہے اس میں لیلیٰ بنت مالک ہیں اور یہ پہچانی نہیں جاتیں جیسا کہ تقریب التہذیب (۸۸۱۳) میں ہے۔

اس کی متابعت: عبدالرحمٰن بن خلاد نے اُم ورقہ سے یہی روایت بیان کر کے لیلیٰ بنت مالک کی متابعت کی ہے۔ ابوداود (۳۹۷/۱ ح ۵۹۲) اور ابن خزیمہ (۸۹/۳ ح ۱۶۷۶) نے ''**الوليد بن جميع عن عبدالرحمٰن بن خلاد عن أم ورقة**'' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے اور ابوداود (۳۹۶/۱ ح ۵۹۱) احمد (۴۰۵/۶) حاکم (۲۰۳/۱) بیہقی (۱۳۰/۳) طبرانی (المعجم الکبیر ۱۳۵/۲۵) ابن الجارود (المنتقیٰ ص ۱۴۰ ح ۳۳۳) ابن ابی عاصم (الآحاد والمثانی ۱۹۳/۶) اور ابن الاثیر (اسد الغابۃ ۴۰۸/۷) نے ''**الوليد بن جميع عن ليلى بنت مالك وعبدالرحمٰن بن خلاد الأنصاري عن أم ورقة الأنصارية**'' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔

علامہ فوزی کہتے ہیں: یہ سند ضعیف ہے اس میں عبدالرحمٰن بن خلاد الانصاری ہے اور یہ مجہول ہے جیسا کہ تقریب التہذیب (۳۸۵۵ وقال: مجہول الحال) میں ہے اور لیلیٰ بنت مالک بھی پہچانی نہیں جاتی لہٰذا یہ ایسی متابعت ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح (۳/۸۹ ح ۱۶۷۸) میں ''**الولید بن جمیع عن لیلٰی بنت مالك عن أبیها عن أم ورقة**'' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔ (لیلیٰ اپنے والد سے روایت کررہی ہے) حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۲۵/۳۹۱) میں'' **الولید بن جمیع عن عبدالرحمٰن بن خلاد عن أبیه عن أم ورقة**'' کی سند سے یہ روایت بیان کی۔ (عبدالرحمٰن اپنے والد سے روایت کر رہے ہیں) پھر اس طرح یہ روایت ''**مضطرب الإسناد**'' بھی ہے۔ سند کا اضطراب بھی ضعف کے اسباب میں سے ایک ہے۔ پس کبھی الولید عن عبدالرحمٰن بن خلاد عن اُم ورقہ سے، کبھی عن الولید عن لیلیٰ بنت مالک عن ام ورقہ، کبھی عن الولید عن عبدالرحمٰن بن خلاد و لیلیٰ بنت مالک عن اُم ورقہ، کبھی عن الولید بنت مالک عن ابیہا عن اُم ورقہ اور کبھی عن الولید عن عبدالرحمٰن بن خلاد عن ابیہ عن اُم ورقہ کی سند سے یہ روایت مروی ہے۔

یہ اضطراب حدیث کے ضعف کا موجب بنتا ہے اور اس اضطراب کی طرف حافظ مزی نے بھی تہذیب الکمال (۲۵/۳۹۱) میں اشارہ فرمایا ہے۔

اور میں آخر میں کہوں گا کہ احادیث کے ضعیف و مجہول طرق شمار میں نہیں لائے جاتے اگرچہ وہ بکثرت ہوں متعدد ہوں اور نہ ہی مجہولین، متروکین اور متہمین کے طرق کو بطور شاہد لے سکتے ہیں جیسا کہ اصول حدیث میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے۔

[تنبیہ بلیغ: عبدالرحمٰن بن خلاد کو ابن حبان، ابن خزیمہ اور ابن الجارود نے تصحیحِ حدیث کے ذریعے سے ثقہ قرار دیا ہے لہٰذا وہ صدوق راوی ہے۔ لیلیٰ بنت مالک کو بھی ابن خزیمہ اور ابن الجارود نے تصحیحِ حدیث کے ذریعے سے ثقہ قرار دیا ہے لہٰذا ان کی حدیث بھی حسن ہوتی ہے۔ عبدالرحمٰن بن خلاد اور لیلیٰ بنت مالک کو مجہول قرار دینا غلط ہے۔ روایت کی تصحیح اس

کے راویوں کی توثیق ہوتی ہے۔ دیکھئے نصب الرایۃ (۱/۱۴۹، ۲۶۴/۳) والصحیحۃ (۱۶/۷ ح ۳۰۰۷)
ولید بن جمیع عن عبدالرحمٰن بن خلاد عن اُم ورقہ ، ولید عن لیلیٰ بنت مالک عن اُم ورقہ اور ولید عن عبدالرحمٰن بن خلاد و لیلیٰ بنت مالک عن اُم ورقہ ایک ہی سند ہیں جس میں کوئی اضطراب نہیں ، ولید نے دونوں سے سنا ہے۔ بعض دفعہ مکمل سند و متن اور بعض دفعہ مختصر سند و متن بیان کرنا اضطراب کی دلیل نہیں ہوتا۔ تہذیب الکمال والی روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ صحیح ابن خزیمہ والی روایت میں '' عـن أبیهـا '' کا لفظ شاذ ہے۔ اگر اسے شاذ نہ بھی مانا جائے تو لیلیٰ بنت مالک کی روایت میں یہ اختلاف عبدالرحمٰن بن خلاد کی روایت میں اضطراب کی دلیل نہیں ہے۔

حق یہ ہے کہ یہ روایت بلحاظِ سند حسن ہے۔ اسے ابن خزیمہ اور ابن الجارود کے علاوہ شیخ البانی نے بھی '' إسـنـاده حسـن '' قرار دیا ہے۔ نیز دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۸۹/۳ تحت ح ۱۶۷۶) اور ماہنامہ الحدیث: ۱۵ ص ۱۹، ۲۰]

نماز میں رفع یدین اور مدینہ منورہ کی کتاب حافظ طارق مجاہد یزمانی

" **مالك عن ابن شهاب عن سالم بن عبدالله عن ابن عمر قال: أن رسول الله ﷺ كان إذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه وإذا كبر للركوع وإذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك وقال :((سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد)) وكان لا يفعل ذلك في السجود**" (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے کندھوں تک رفع یدین کرتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے اپنا سر اُٹھاتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور فرماتے: ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ)) اور سجدوں میں یہ (رفع یدین) نہیں کرتے تھے۔ (موطأ امام مالک روایۃ عبدالرحمٰن بن القاسم ،مطبوعہ جدہ سعودی عرب ص ۱۱۳ ح ۵۹ وسندہ صحیح ، موطأ محمد بن الحسن الشیبانی مع التعلیق الممجد ص ۸۹، الزہری صرح بالسماع عند البخاری: ۷۳۶)

تنبیہ: موطأ امام مالک روایۃ یحییٰ بن یحییٰ (۷۵/۱ ح ۱۶۰) سے رکوع سے پہلے والے رفع یدین کا ذکر رہ گیا ہے۔

ابن بشیر الحسینوی

چہرے کے احکام

چہرے کے احکام درج ذیل ہیں:

مرد کے چہرے کے احکام

جن موقعوں پر چہرے کو قبلہ رخ کرنا ضروری یا مسنون ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱: اذان دیتے وقت قبلہ رخ کھڑا ہونا ضروری ہے۔ سیدنا ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے سامنے مؤذن نے قبلہ رُخ ہو کر اذان دی تھی۔ (مسند السراج:۶۱ وسندہ صحیح)

اس مسئلہ پر اجماع ہے۔ امام ابن المنذر فرماتے ہیں:

''**أجمع أهل العلم علٰی أن من السنة أن تستقبل القبلة بالأذان**''

اس پر علماء کا اجماع ہے کہ اذان میں قبلہ رخ ہونا سنت ہے۔ (الاوسط ۲۸/۳)

نیز فرماتے ہیں کہ ''**وأجمعوا علٰی أن من السنة أن تستقبل القبلة بالأذان**''

اور اس پر اجماع ہے کہ اذان دیتے وقت قبلہ رخ ہونا چاہئے۔ (الاجماع ص ۷، فقرہ:۳۹)

نیز دیکھئے موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی (۹۳/۱)

۲: نماز پڑھتے وقت قبلہ رخ ہونا فرض ہے۔ مسلمان ہونے کے لئے شرط ہے کہ وہ نماز قبلہ رخ ہو کر پڑھے، جس نے اس کا انکار کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**من صلّی صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فذلك المسلم...**'' جس نے ہماری جیسی نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ (بیت اللہ) کی طرف (نماز پڑھتے وقت) رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ (مسلم) ہے۔ (صحیح البخاری:۳۹۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ﴾

اورتم جہاں بھی ہو(نماز میں) اپنا رخ اسی (قبلے کی) طرف پھیر دو۔(البقرۃ:۱۴۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**إذا قمت إلى الصلوٰة فأسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فكبّر**)) جب تم نماز (کے ارادے) کے لئے کھڑے ہوتو پورا وضو کرو پھر قبلے کا رخ کرو اور تکبیر (اللہ اکبر) کہو۔ (صحیح بخاری:۶۲۵۱ وصحیح مسلم:۴۶/۳۹۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ ''قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھنے پر اجماع ہے۔'' (فتح الباری ۱/۶۶۳)

فائدہ: قبلہ سے کیا مراد ہے، بیت اللہ یا تمام مسجد حرام؟

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے کہ ''**باب ذكر الدليل على أن القبلة أنما هي الكعبة لا جميع المسجد الحرام وأن الله عزوجل إنما أراده بقوله: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾** (البقرۃ:۱۴۴) **لأن الكعبة فى المسجد الحرام وإنما أمر النبي** ﷺ **والمسلمين أن يصلوا إلى الكعبة إذالقبلة إنما هي الكعبة لا المسجد كله، إذ إسم المسجد يقع على كل موضع يسجد فيه**'' اس دلیل کو ذکر کرنے کا باب کہ قبلہ (سے مراد) کعبہ ہے نہ کہ تمام مسجد حرام اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ سے یہ کعبہ مراد لیا ہے کیونکہ کعبہ مسجد حرام میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کو کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبلہ کعبہ ہی ہے نہ کہ تمام مسجد اور مسجد کا اطلاق ہر اس جگہ پر ہوتا ہے جس پر سجدہ کیا جاتا ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ ۱/۲۲۴ قبل ح ۴۳۲)

اس باب کے تحت امام صاحب نے کافی دلائل نقل کئے ہیں، تفصیل کے لئے اس کی طرف رجوع کریں۔

۳: فرض نماز سواری سے نیچے اتر کر قبلہ رخ ہوکر پڑھنا فرض ہے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر (نفلی نماز) پڑھتے، اس کا رخ مشرق (غیر قبلہ) کی طرف ہوتا جب آپ (ﷺ) فرض نماز پڑھنا چاہتے تو سواری سے اترتے اور قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھتے۔ (صحیح بخاری:۱۰۹۹)

فائدہ: اگر غلطی سے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی جائے تو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔
امام بخاری نے اس کی طرف باب باندھ کر اشارہ کیا ہے: ''**باب ماجاء فی القبلة، ومن لم یر الإعادة علٰی من سھا ، فصلّٰی إلٰی غیر القبلة**'' باب ان احادیث کے بارے میں جو قبلہ کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور اس شخص کے بارے میں جو بھول کر اگر غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے تو اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (صحیح بخاری قبل ح ۴۰۲)
امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم (محدثین) کا یہی موقف ہے کہ جب بادل یا کوئی اور عارضہ ہو اور آدمی نے نماز غیر قبلہ کی طرف پڑھ لی ہو پھر اسے معلوم ہو جائے کہ اس نے تو نماز غیر قبلہ کی طرف پڑھی ہے اس کی نماز ہو گئی ہے (دہرانے کی ضرورت نہیں) سفیان ثوری، ابن المبارک، احمد اور اسحاق (بن راہویہ) اسی کے قائل ہیں (سنن الترمذی تحت ح ۳۴۵)
۴: قبلہ رخ ہو کر دعا کرنا مستحب ہے۔ محدثینِ کرام نے قبلہ رخ ہو کر دعا کرنے کے ابواب قائم کئے ہیں اور قبلہ رخ ہونے کو دعا کے آداب میں شمار کیا ہے۔ مثلاً:
امام بخاری **باب الدعاء مستقبل القبلة** (صحیح بخاری قبل ح ۶۳۴۳)
فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے درج ذیل موقعوں پر قبلہ رخ ہو کر دعا کی ہے:
① نماز استسقاء سے پہلے
'' **استقبل القبلة یدعو ثم حول رداء ہ ثم صلّٰی لنا رکعتین...** ''
رسول اللہ ﷺ نے قبلہ رخ ہو کر دعا کی پھر آپ نے اپنی چادر کو پلٹا پھر ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔ (صحیح بخاری: ۱۰۲۵)
فائدہ: اگر امام منبر پر خطبہ دے رہا ہے اور اس نے بارش کے لئے دعا مانگنی ہو تو پھر استقبالِ قبلہ کے بغیر ہی دعا مانگنی چاہئے۔ (صحیح البخاری: ۱۰۱۸)
② جمرۂ اولیٰ کو کنکریاں مارنے سے فارغ ہو کر چند قدم آگے جا کر قبلہ رخ ہونا:
رسول اللہ ﷺ جب جمرۂ اولیٰ کو کنکریاں مارنے سے فارغ ہوتے تو چند قدم آگے جا کر آپ قبلہ رخ کھڑے ہوتے اور دعا کے لئے اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے۔ (صحیح بخاری: ۱۷۵۳)

③ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے ایک گروہ کے خلاف قبلہ رخ ہو کر دعا کی۔
(صحیح بخاری:۳۹۶۰ وصحیح مسلم ۱۷۹۴/۱۱۰)

۵: قبلہ رخ ہو کر تلبیہ کہنا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۵۵۳)
امام بخاری نے اسی پر باب باندھا ہے کہ ''باب الإهلال مستقبل القبلة'' قبلہ رخ ہو کر تلبیہ کہنا۔ **والله أعلم بالصواب**

۶: قبر میں میت کے صرف چہرے کو نہیں بلکہ مکمل جسم کو قبلہ رخ (دائیں پہلو پر لیٹنے کی طرح) کرنا چاہئے (جیسا کہ مسلمانوں کا متوارث عمل ہے)۔ دیکھئے (المحلیٰ ۱۷۳/۵، مسئلہ: ۶۱۵) ان سے شیخ البانی نے نقل کیا ہے۔ (احکام الجنائز ص ۱۵۱)

جن موقعوں پر چہرے کو قبلہ رخ کرنا ضروری نہیں

۱: نفلی نماز اگر سواری پر پڑھنی ہے تو اس کے لئے قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نفلی نماز سواری پر پڑھا کرتے تھے اور سواری قبلہ رخ نہیں ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری:۱۰۹۴)
انس بن سیرین نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو سواری پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور سواری کا منہ قبلہ کی دائیں طرف تھا، انھوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے تجھے قبلہ کے علاوہ (کسی اور طرف منہ کر کے) نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے تو انھوں (انس رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی نہ کرتا (صحیح البخاری:۱۱۰۰)

۲: حالتِ اضطراب، مثلاً لیٹ کر نماز پڑھنے میں یا صلاۃ الخوف میں قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ (البقرۃ:۲۸۶)

۳: مرنے والے کے چہرہ کو قبلہ رخ کرنا مستحب ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے وفات کے وقت اپنا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر رکھا تھا۔

(مناقب احمد ص ۴۰۶ وسندہ صحیح بحوالہ ماہنامہ الحدیث:۲۶ص ۱۸)

حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ (میت کو) قبلہ رخ کرنا اچھا ہے اگر نہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ اور کوئی نص (صحیح حدیث) میت کو قبلہ رخ کرنے کے متعلق نہیں آئی۔امام شعبی نے کہا کہ کرو یا نہ کرو آپ کی مرضی ہے... (المحلیٰ ۱۷۳/۵، ۱۷۴، مسئلہ:۶۱۶)

جن موقعوں پر قبلہ رخ ہونا منع ہے

۱: قبلہ رخ ہو کر قضائے حاجت کرنا منع ہے۔سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((إذا أتی أحدکم الغائط فلا یستقبل القبلة)) جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لئے آئے تو وہ قبلہ کی طرف منہ نہ کرے۔

(صحیح بخاری:۱۴۴)

قبلہ رُخ پیشاب کی ممانعت کے لئے دیکھئے صحیح مسلم (۲۶۴/۵۹)

چہرے کو دھونے کے احکام

چہرے کو دھونے کے احکام درج ذیل ہیں:

۱: وضو میں چہرے کا دھونا فرض ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ اے ایمان والو! جب نماز ادا کرنے کے لئے اٹھو تو پہلے اپنے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھولو۔(المآئدۃ:۶)

امام نسائی نے سنن النسائی (۱۵/۱) میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث پر باب قائم کیا ہے:''باب غسل الوجه'' چہرے کو دھونے کا بیان۔

۲: وضو میں چہرے کو ایک مرتبہ دھونا بھی مسنون ہے۔سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''توضأ النبي صلی اللہ علیہ وسلم مرة مرة''

رسول اللہ ﷺ نے وضو میں ہر عضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا۔ (صحیح بخاری:۱۵۷)

۳: دو مرتبہ دھونا بھی جائز ہے۔

سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''**أن النبي ﷺ توضأ مرتين مرتين**''
بے شک رسول اللہ ﷺ نے وضو میں ہر عضو کو دو دو مرتبہ دھویا۔ (صحیح بخاری:۱۵۸)

۴: اعضائے وضو کو تین مرتبہ دھونا مسنون ہے۔ حمران مولیٰ عثمان نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا اس میں یہ بھی ہے کہ ''**ثم غسل وجهه ثلاثًا**'' پھر آپ (ﷺ) نے اپنے چہرے (مبارک) کو تین مرتبہ دھویا۔

(صحیح بخاری:۱۵۹، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں)

۵: تین دفعہ سے زیادہ مرتبہ چہرے (وضو کے اعضاء) کو نہیں دھونا چاہئے۔

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے لمبی روایت جس میں ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر وضو کے بارے میں سوال کرتا ہے آپ (ﷺ) نے اسے وضو کے اعضاء کا تین تین بار دھونا سکھایا اور فرمایا کہ اس طرح (کامل) وضو ہے، پھر جو شخص اس (تین تین بار دھونے) پر زیادہ کرے پس تحقیق اس نے (سنت کو چھوڑنے کی وجہ سے) برا کیا اور (رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت کر کے اپنے آپ پر) ظلم کیا۔

(ابوداود:۱۳۵، وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب اس امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو وضو میں زیادتی کریں گے اور دعا میں بھی۔ (ابوداود:۹۶ وسندہ صحیح)

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''**وبين النبي ﷺ أن فرض الوضوء مرة مرة، وتوضأ أيضًا مرتين، وثلاثا، ولم يزد على ثلاث و كره أهل العلم الإسراف فيه، وأن يجاوزوا فعل النبي ﷺ**''
رسول اللہ ﷺ نے بیان فرما دیا کہ وضو (کے اعضاء کو دھونا) ایک ایک بار فرض ہے اور

آپ (ﷺ) نے اس (تین مرتبہ) پر زیادتی نہیں کی اور علماء (محدثین) نے اس میں زیادتی کرنے کو مکروہ (حرام) سمجھا ہے اور اس کو بھی کہ رسول اللہ ﷺ کے فعل سے تجاوز کیا جائے۔ (صحیح بخاری قبل ح ۱۳۵)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ '' **فبين الشارع أن المرة الواحدة للإيجاب ومازاد عليها للإستحباب** '' شارع علیہ السلام نے بیان کیا ہے کہ (وضو کے اعضاء کو) ایک مرتبہ (دھونا) واجب (فرض) ہے اور اس سے زائد (دو دو یا تین تین) مرتبہ (دھونا) مستحب ہے۔

(فتح الباری ۱/۳۱۰)

۶: چہرے کو دونوں ہاتھوں کے ساتھ دھونا چاہئے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۱۴۰) امام بخاری نے اس پر باب باندھا ہے کہ '' **باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة** '' چہرے کو دونوں ہاتھوں کے ساتھ ایک چلو سے دھونا۔

۷: وضو میں چہرہ دھونے کی وجہ سے چہرے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إذا توضأ العبدالمسلم أو المؤمن فغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئة نظر إليها بعينه مع الماء أو مع آخر قطر الماء...))

جب مسلمان یا مومن وضو کرتا ہے اور اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو پانی یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے چہرے کے وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو اس نے اپنی آنکھوں سے کئے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱/۱۲۵)

۸: وضو میں چہرے کو دھونے کی وجہ سے چہرہ قیامت کے دن روشن ہوگا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((إن أمتي يُدعون يوم القيامة غرًّا محجلين من آثار الوضوء))

یقیناً میری امت کو قیامت کے دن بلایا جائے گا (اور) وہ وضو کے آثار کی وجہ سے سفید پیشانی اور سفید اعضاء والی ہوگی۔ (صحیح البخاری: ۱۳۶ واللفظ لہ، صحیح مسلم: ۲۴۶)

سوکر اٹھتے وقت چہرے کو دھونا

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''أن النبي ﷺ قام من الليل فقضٰى حاجته وغسل وجهه ويديه ثم نام ''رسول اللہ ﷺ رات کو (نیند سے) بیدار ہوئے آپ (ﷺ) نے قضائے حاجت کی پھر چہرے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا پھر آپ (ﷺ) سو گئے۔ (صحیح مسلم:۳۰۴ دارالسلام:۶۹۸)

تیمّم میں چہرے کا مسح کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْعَلٰى سَفَرٍ اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ ﴾

ہاں اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت سے آئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو پھر تمھیں پانی نہ مل رہا ہو تو پاک مٹی سے کام لو۔ پھر اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔ (المآئدۃ:۶)

چہرے پر مسح کا ذکر درج ذیل احادیث میں ہے:

سیدنا ابوجہیم بن الحارث بن الصمۃ الانصاری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث (صحیح بخاری:۳۳۷)

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث (صحیح بخاری:۳۳۸)

فائدہ: پہلے ہاتھوں کا پھر چہرے کا مسح کرنا چاہیے۔ (صحیح البخاری:۳۴۷)

اذان میں چہرے کے احکام

۱: مؤذن قبلہ رخ ہو کر اذان کہے۔ (دیکھئے مرد کے چہرے کے احکام:۱)

۲: مؤذن **حي على الصلاة** اور **حي على الفلاح** کہتے وقت دائیں اور بائیں طرف چہرہ کو موڑے۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۶۳۴ و صحیح مسلم: ۵۰۳/۲۴۹)

نماز میں چہرے کے احکام

۱: قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھنا فرض ہے۔(دیکھئے مرد کے چہرے کے احکام:۲)

۲: نماز پڑھتے وقت چہرے کے سامنے سترہ کا اہتمام کرنا۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''**أن رسول اللہ ﷺ کان إذا خرج یوم العید أمر بالحربة فتوضع بین یدیه فصلّی إلیها..**'' جب رسول اللہ ﷺ نماز عید کے لئے نکلتے آپ نیزہ کا حکم دیتے۔ نیزہ آپ (ﷺ) کے سامنے قبلہ کی طرف گاڑا جاتا آپ (ﷺ) اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے۔ (صحیح بخاری:۴۹۴)

نیز دیکھئے صحیح بخاری (۴۹۵) وصحیح ابن خزیمہ (۸۴۰)

[تنبیہ: سترہ رکھنا واجب نہیں بلکہ سنت اور مستحب ہے۔دیکھئے مسند البزار بحوالہ شرح صحیح بخاری لابن بطال ۲/۱۷۵ وسندہ حسن۔/ زع]

۳: امام سلام پھیرتے وقت پہلے دائیں طرف چہرہ کرکے سلام کہے پھر بائیں طرف۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دائیں طرف سلام پھیرتے (تو کہتے) السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور بائیں طرف سلام پھیرتے (تو کہتے) السلام علیکم ورحمۃ اللہ (ابوداود:۹۹۶ ترمذی:۲۹۵ وصححہ وھو حدیث صحیح) مزید دیکھیں صحیح مسلم (۵۸۲)

فائدہ: نماز جنازہ میں صرف دائیں طرف سلام پھیرنا چاہئے۔

(ماہنامہ الحدیث:۷ اص ۳۷ ومصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۰۷ ح ۱۱۴۹۱ وسندہ صحیح)

۴: امام کا نماز سے سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کی طرف چہرہ کرنا۔

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''**کان النبي ﷺ إذا صلّی صلوٰۃ أقبل علینا بوجهه**'' جب نبی ﷺ نماز پڑھا لیتے تو ہماری طرف رخ کرتے۔

(صحیح بخاری:۸۴۵)

فائدہ نمبرا: امام کو عام طور پر بائیں طرف سے پھرنا چاہئے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "**لقد رأيت النبي ﷺ كثيرًا ينصرف عن يساره**" البتہ تحقیق میں نے نبی ﷺ کو اکثر بائیں طرف پھرتے ہوئے دیکھا۔ (صحیح بخاری:۸۵۲وصحیح مسلم:۷۰۷)

فائدہ نمبر۲: امام عام طور پر دائیں طرف سے بھی پھر سکتا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ" **أما أنا فأكثر ما رأيت رسول الله ﷺ ينصرف عن يمينه** " میں نے تو دیکھا ہے کہ عام طور پر رسول اللہ ﷺ سلام کے بعد دائیں طرف سے پھرتے تھے۔ (صحیح مسلم:۷۰۸)

معلوم ہوا کہ امام دونوں طرف (دائیں اور بائیں) سے پھر سکتا ہے۔

تنبیہ: بعض الناس سلام پھیرنے کے بعد شمال کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں جس کا کوئی ثبوت کتاب وسنت میں نہیں ہے۔

امام کو کتنی دیر نماز سے سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کی طرف اپنا چہرہ کرنا چاہئے؟

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ"**أن النبي ﷺ كان إذا سلم يمكث في مكانه يسيرًا**"جب رسول اللہ ﷺ سلام پھیرتے تو تھوڑی دیر اپنی جگہ پر بیٹھتے۔

(صحیح بخاری:۸۴۹)

تھوڑی دیر کی مدت کتنی تھی؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو صرف اتنی دیر (قبلہ رخ) بیٹھتے جتنی دیر میں یہ دعا" **اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذاالجلال والإكرام**"پڑھ لی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم:۵۹۲)

پھر آپ مقتدیوں کی طرف پھر جاتے۔

نماز میں چہرہ کو ڈھانپنا منع ہے۔

سالم بن عبداللہ بن عمر جب کسی کو دیکھتے تھے کہ وہ نماز میں اپنا چہرہ ڈھانپے ہوئے ہے تو وہ

زور سے کپڑا کھینچ دیتے تھے، یہاں تک کہ اس کا چہرہ کھل جاتا۔ (موطأ امام مالک ۱/۷۱ ح ۳۰ وسندہ صحیح)

خطبۂ جمعہ اور چہرے کے احکام

خطبۂ جمعہ سنتے ہوئے لوگوں کا اپنا چہرہ خطیب کی طرف اور خطیب کا خطبۂ جمعہ دیتے وقت سامعین کی طرف اپنے چہرے کو متوجہ کرنا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن ممبر کی طرف چہرہ کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۲/۱۱۸ ح ۵۲۳۳ وسندہ صحیح)

اس طرح کے آثار دوسرے اسلاف مثلاً قاضی شریح، امام شعبی، نضر بن انس اور ابراہیم نخعی سے بھی ثابت ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱۸ واسانیدھا صحیحۃ)

نیز دیکھئے صحیح بخاری (قبل ح ۹۲۱)

[تنبیہ: خطیب کا منبر پر چڑھتے وقت سامعین کو سلام کہنا کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت نہیں ہے لہٰذا سلام کے بغیر خطبہ دینا بھی صحیح ہے اور عام احادیثِ مجلس کو مدِنظر رکھتے ہوئے خطیب کا لوگوں کو سلام کہنا بھی جائز ہے۔]

حج یا عمرہ اور چہرے کے احکام

۱: تلبیہ قبلہ رخ ہو کر کہنا۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۱۵۵۳)

۲: صفا اور مروہ پر چڑھ کر جہاں سے بیت اللہ نظر آئے تو اس کی طرف اپنا چہرہ کر کے یہ دعا کرنی چاہئے: ''**لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شيئ قدير، لا إلٰه إلا الله وحده، انجز وعده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده**'' (صحیح مسلم: ۱۲۱۸)

۳: جمرۂ اولیٰ کو کنکریاں مار کر چند قدم اس سے آگے بڑھ کر قبلہ رخ ہو کر دعا کرنا۔

(صحیح بخاری: ۱۷۵۳) ←

اعلان

ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۰ ص ۵۲ پر کمپوزنگ کی غلطی سے ''حسین احمد ٹانڈوی مدنی کی کتاب ایضاح الادلہ'' چھپ گیا ہے جبکہ صحیح ''محمود حسن دیوبندی کی کتاب ایضاح الادلہ'' ہے۔ حافظ زبیر علی زئی (۲ نومبر ۲۰۰۶ء)

چہرے پر مارنے کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إذا ضرب أحدكم فليق الوجه))
جب تم میں سے کوئی کسی کو مارے تو چہرے پر نہ مارے۔
(سنن ابی داود:۴۴۹۳ وسندہ حسن لذاتہ وللحدیث شواہد عند احمد ۲/۳۴۴ ح ۹۶۰۴ وغیرہ)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إذا قاتل أحدكم فليجتنب الوجه)) جب تم میں سے کوئی جھگڑا کرے تو اس کے چہرے (پر مارنے سے) پرہیز کرے۔ (صحیح بخاری:۲۵۵۹ وصحیح مسلم:۲۶۱۲ وفی روایۃ عندہ: إذا ضرب أحدكم)

جو لوگوں سے (بغیر شرعی عذر کے) مانگتا رہتا ہے، اس کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہیں ہوگا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((مايزال الرجل يسأل الناس حتى يأتي يوم القيامة ليس في وجهه مزعة لحم))
جو شخص لوگوں سے ہمیشہ سوال کرتا رہتا ہے قیامت کو وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہیں ہوگا۔ (صحیح بخاری:۱۴۷۴، وصحیح مسلم:۱۰۴۰)

میدانِ جہاد میں چہرے پر غبار

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((لا يجتمع غبار في سبيل الله ودخان جهنم في وجه رجل أبدًا...))
کسی آدمی کے چہرے پر اللہ کے راستے میں پڑنے والا غبار اور جہنم کی آگ جمع نہیں ہوسکتے۔ (سنن النسائی ۶/۱۳ ح ۳۱۱۳ وسندہ حسن)

دعا کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا۔

ابونعیم وہب بن کیسان فرماتے ہیں کہ'' رأيت ابن عمر وابن الزبير يدعوان يديران بالراحتين على الوجه ''میں نے ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ

دونوں دعا کرتے تھے اور اپنی ہتھیلیوں کو منہ پر پھیرتے تھے۔'' (الادب المفرد:۶۰۹ وسندہ حسن)
امام معمر بھی دعا میں چہرے پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲/۲۴۷ ح ۵۰۰۱ وسندہ حسن)
فائدہ: دعائے قنوت یا دعائے وتر میں دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر نہیں پھیرنا چاہئے۔
امام بیہقی نے کہا: نماز میں یہ عمل نہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے نہ کسی اثر سے اور نہ قیاس سے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ نماز میں یہ نہ کیا جائے۔ (السنن الکبریٰ ۲/۲۱۲)

عورت کے چہرے کے احکام

بعض احکام میں عورت اور مرد کا چہرہ مشترک ہے۔
مثلاً نماز قبلہ رخ ہو کر پڑھنا، قبلہ رخ ہو کر دعا کرنا، قبلہ رخ ہو کر تلبیہ کہنا، قبر میں میت کے پورے جسم کو قبلہ رخ کرنا، قبلہ رخ ہو کر پیشاب کرنا منع ہے، چہرے کو دھونے کے احکام، تیمّم میں چہرے کے احکام، نماز پڑھتے وقت سترہ کا اہتمام کرنا، حج یا عمرہ میں چہرہ کے احکام، لڑائی اور چہرے کے احکام، جو لوگوں سے سوال کرتا ہے اس کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہیں ہوگا، جس کے چہرے پر اللہ کی راہ میں غبار پڑا وہ چہرہ کبھی جہنم میں نہیں جائے گا۔
دعا کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا۔
ان احکام کی تفصیل گزر چکی ہے لیکن بعض وہ احکام ہیں جو صرف عورت کے ساتھ خاص ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱: عورت کا اپنے چہرے کو غیر محرم مردوں سے چھپانا ضروری ہے۔
[تنبیہ: عورت کا غیر محرم مردوں سے چہرہ چھپانا مستحب اور بہتر ہے۔]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾
اے نبی اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی

چادروں کے پلو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں اس طرح زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انھیں ستایا نہ جائے اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

(الاحزاب:۵۹)

﴿يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ط﴾ کی تفسیر میں عبیدہ السلمانی نے وضاحت کی ہے کہ عورت اپنے چہرے کو چھپائے گی جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۲: امہات المؤمنین کا پردہ کا اہتمام کرنا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ایک واقعہ میں بیان کرتی ہیں کہ ''جب صفوان رضی اللہ عنہ ادھر آئے تو انھوں نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ پردے کے حکم سے پہلے وہ مجھے دیکھ چکے تھے مجھے پہچان کر اس نے إنا لله وإنا إليه راجعون پڑھا تو اس کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانک لیا...'' (صحیح بخاری:۴۱۴۱، صحیح مسلم:۲۷۷۰)

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''كنا نغطي وجوهنا من الرجال'' ہم اپنے چہروں کو مردوں سے چھپاتی تھیں۔ (صحیح ابن خزیمہ ۲۰۳/۴ ح ۲۶۹۰ وسندہ صحیح واللفظ لہ، موطأ امام مالک ۳۲۸/۱ ح ۷۳۴ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے ''حاجی کے شب وروز'' ص ۸۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حج میں شرعی ضرورت کے وقت عورتوں کے لئے اپنا چہرہ ڈھانپنا جائز ہے۔

امام محمد بن سیرین نے اللہ کے فرمان ''يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ط'' کے متعلق عبیدہ السلیمانی سے سوال کیا تو انھوں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور اپنی بائیں آنکھ ظاہر کی (صرف بائیں آنکھ دیکھنے کے لئے ظاہر کی اور سارا چہرہ ڈھانپ لیا۔)

(تفسیر ابن جریر ۳۳/۲۲ وسندہ صحیح)

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ ''حقیقتاً جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو سر سمیت عورت کے پورے بدن کو ڈھانپ دے'' (مجموع الفتاویٰ ۱۱۰/۲۲)

[تنبیہ: محدث البانی رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کے لئے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کا چھپانا واجب نہیں ہے۔ دیکھئے ''جلباب المرأة المسلمة فی الكتاب والسنة'']

۳: عمر رسیدہ عورت کے لئے چہرہ چھپانا ضروری نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾

اور بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہ رکھتی ہوں وہ اگر اپنی چادریں اتار (کر سر ننگا کر) لیا کریں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ زیب وزینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں تاہم اگر وہ (چادر اتارنے سے) پرہیز ہی کریں تو یہی بات ان کے حق میں بہتر ہے اور اللہ سب کچھ سنتا، جانتا ہے۔ (النور:٦٠)

۴: منگنی کرنے سے پہلے اپنی مخطوبہ کا چہرہ دیکھنا جائز ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے منگنی کرنا چاہتا ہو اگر اسے دیکھنے کی استطاعت رکھتا ہو تو اسے دیکھ لے۔''

(مسند احمد ۳/ ۳٦٠ وسندہ حسن، سنن ابی داود: ۲۰۸۲ وصححہ الحاکم علیٰ شرط مسلم ۲/ ١٦٥، ووافقہ الذہبی وحسنہ الحافظ ابن حجر فی فتح الباری ۹/ ۱۸۱ تحت ح ۵۱۲۵)

۵: نماز میں عورت اپنے چہرے کو نہ ڈھانپے۔

اگر عورت گھر میں محرم مردوں کے پاس نماز پڑھ رہی ہے تو اپنا چہرہ نہ ڈھانپے لیکن غیر محرم بھی موجود ہوں تو اپنے چہرے کو ڈھانپ کر نماز پڑھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی ایک جھلک

۱: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھا۔

(صحیح بخاری: ۳۵۴۹، صحیح مسلم ۹۳/ ۲۳۳۷ ودارالسلام: ٦٠٦٠)

۲: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چاند جیسا (خوبصورت اور پرنور) تھا۔ (صحیح بخاری: ۳۵۵۲)

۳: جب آپ خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ ایسے چمک اٹھتا گویا کہ چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۵۵٦، صحیح مسلم: ۲۷٦۹، دارالسلام: ۷۰۱٦)

٤: آپ ﷺ کے چہرے کی (خوبصورت) دھاریاں بھی چمکتی تھیں۔

(صحیح بخاری:٣٥٥٥، صحیح مسلم:١٤٥٩، دارالسلام:٣٦١٧)

٥: نبی ﷺ کا چہرہ سورج اور چاند کی طرح (خوبصورت، ہلکا سا) گول تھا۔

(صحیح مسلم:١٠٩/٢٣٤٤، دارالسلام:٦٠٨٤)

٦: آپ ﷺ گورے رنگ، پر ملاحت چہرے، موزوں ڈیل ڈول اور میانہ قد وقامت والے تھے۔ (صحیح مسلم:٢٣٤٠)

٧: رسول اللہ ﷺ کا رنگ نہ تو چونے کی طرح خالص سفید تھا اور نہ گندمی کہ سانولا نظر آئے بلکہ آپ کا رنگ گورا چمک دار تھا۔ (صحیح بخاری:٣٥٤٧، صحیح مسلم:٢٣٤٧)

٨: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سورج کی روشنی آپ کے رخِ انور سے جھلک رہی ہے۔ (صحیح ابن حبان، الاحسان:٦٢٧٦ دوسرا نسخہ:٦٣٠٩ وسندہ صحیح علیٰ شرط مسلم)

٩: آپ ﷺ کی آنکھیں سرمگیں، دل پسند مسکراہٹ اور خوشنما گولائی والا چہرہ تھا۔ آپ کی داڑھی نے آپ کے سینے کو پُر کر رکھا تھا۔ (شمائل الترمذی:٤١٢ وسندہ صحیح)

١٠: آپ کے چچا ابو طالب فرماتے تھے:

''وأبیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامیٰ عصمة للأرامل''

وہ گورے مکھڑے والا جس کے روئے زیبا کے ذریعے سے ابرِ رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ وہ یتیموں کا سہارا، بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست ہے۔

(صحیح بخاری:١٠٠٨، آئینۂ جمال نبوت مطبوعہ دارالسلام ص٣٤ ح٣٢)

١١: آپ کی آنکھیں (خوبصورت) لمبی اور سرخی مائل (ڈوروں والی) تھیں۔

(صحیح مسلم:٢٣٣٩ دارالسلام:٦٠٧٠)

١٢: اہلِ ایمان کے نزدیک سب چہروں سے محبوب رسول اللہ ﷺ کا چہرہ ہے۔

(صحیح البخاری:٤٣٧٢)

حافظ زبیر علی زئی

لباس کا بیان

حدیث:۱۰

عن أبي هريرة قال :قال رسول الله ﷺ :

((لا يصلي أحدكم في الثوب الواحد ليس على عاتقيه شيء))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایسے ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے، کہ اس کے کندھے پر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو۔ (صحیح البخاری: ۵۲/۱ ح ۳۵۹، صحیح مسلم: ۱۹۸/۱ ح ۵۱۶)

فوائد:

① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کندھے ڈھانپنا فرض ہے۔

② بعض لوگ نماز میں مردوں پر سر ڈھانپنا بھی لازمی قرار دیتے ہیں لیکن اس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ شمائل الترمذی (ص ۷۱ وفی نسختنا ص ۴ حدیث: ۳۳، ۱۲۵) کی روایت جس میں: ''**يكثر القناع**'' ''یعنی رسول اکرم ﷺ اکثر اوقات اپنے سر مبارک پر کپڑا رکھتے تھے'' آیا ہے وہ یزید بن ابان الرقاشی کی وجہ سے ضعیف ہے، یزید پر جرح کے لیے تہذیب التہذیب (ج ۱۱ ص ۲۷۰) وغیرہ دیکھیں، امام نسائی نے فرمایا: ''**متروك بصري**'' (کتاب الضعفاء: ۶۴۲) حافظ ہیثمی نے کہا: ''**ويزيد الرقاشي ضعفه الجمهور**'' اور یزید الرقاشی کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ۲۲۶/۶)

تقریب التہذیب (۷۶۸۳) میں لکھا ہوا ہے'' **زاهد ضعيف**''

دیوبندیوں اور بریلویوں کی معتبر و مستند کتاب'' درمختار'' میں لکھا ہوا ہے کہ جو شخص عاجزی کے لیے ننگے سر نماز پڑھے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ۴۷۴/۱)

اب دیوبندی فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

"سوال: ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جو شخص ننگے سر اس نیت سے نماز پڑھے کہ عاجزانہ درگاہ خدا میں حاضر ہو تو کچھ حرج نہیں۔ جواب: یہ تو کتب فقہ میں بھی لکھا ہے کہ بہ نیت مذکورہ ننگے سر نماز پڑھنے میں کراہت نہیں ہے۔" (فتاویٰ "دارالعلوم" دیوبند ۴/۹۴)

احمد رضا خان بریلوی صاحب نے لکھا ہے:

"اگر بہ نیت عاجزی ننگے سر پڑھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں" (احکام شریعت حصۂ اول ص ۱۳۰)

بعض مساجد میں نماز کے دوران میں سر ڈھانپنے کو بہت اہمیت دی جاتی ہے، اس لئے انھوں نے تنکوں سے بنی ہوئی ٹوپیاں رکھی ہوتی ہیں، ایسی ٹوپیاں نہیں پہننی چاہئیں، کیونکہ وہ عزت اور وقار کے منافی ہیں کیا کوئی ذی شعور انسان ایسی ٹوپی پہن کر کسی پر وقار مجلس وغیرہ میں جاتا ہے؟ یقیناً نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری دیتے وقت تو لباس کو خصوصی اہمیت دینی چاہئے۔

اس کے علاوہ سر ڈھانپنا اگر سنت ہے اور اس کے بغیر نماز میں نقص رہتا ہے تو پھر داڑھی رکھنا تو اس سے بھی زیادہ ضروری بلکہ فرض ہے کیا رسول اللہ ﷺ نے داڑھی کے بغیر کوئی نماز پڑھی ہے؟ اللہ تعالیٰ فہم دین اور اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

تنبیہ: راقم الحروف کی تحقیق میں، ضرورت کے وقت ننگے سر مرد کی نماز جائز ہے لیکن بہتر و افضل یہی ہے کہ سر پر ٹوپی، عمامہ یا رومال ہو۔

نافع تابعی کو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے ہیں تو انھوں نے فرمایا: "کیا میں نے تمھیں دو کپڑے نہیں دیئے؟... کیا میں تمھیں اس حالت میں باہر بھیجوں تو چلے جاؤ گے؟" نافع نے کہا: نہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا اللہ اس کا زیادہ مستحق نہیں ہے کہ اس کے سامنے زینت اختیار کی جائے یا انسان اس کے زیادہ مستحق ہیں؟ پھر انھوں نے نافع کو ایک حدیث سنائی جس سے دو کپڑوں میں نماز پڑھنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ملخصاً ۲/۲۳۶ وسندہ صحیح)

الحدیث:۳۱ حافظ شیر محمد

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت

''سيدة نساء العالمين في زمانها، البضعة النبوية والجهة المصطفوية ... بنت سيدالخلق رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ... وأم الحسنين''

اپنے زمانے میں دنیا کی ساری عورتوں کی سردار، نبی ﷺ کا جگر گوشہ اور نسبتِ مصطفائی ... سید الخلق رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ... اور حسنین کی والدہ''

(سیر اعلام النبلاء ۱۱۸/۲، ۱۱۹)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب ابوجہل کی بیٹی سے شادی کا پیغام بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فاطمة بضعة مني، فمن أغضبها أغضبني)) فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے، جس نے اُسے ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا۔ (صحیح بخاری: ۳۷۱۴ واللفظ لہ، صحیح مسلم: ۲۴۴۹)

ایک روایت میں ہے ((يؤ ذيني ما آذاها)) وہ چیز مجھے تکلیف دیتی ہے جس سے اُسے تکلیف پہنچتی ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۲۳۰ و صحیح مسلم: ۲۴۴۹، دارالسلام: ۶۳۰۷)

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ((أما ترضين أن تكوني سيدة نساء أهل الجنة أو نساء المؤمنين؟)) کیا تم اہلِ جنت یا مومنوں کی عورتوں کی سردار ہونے پر راضی نہیں؟ تو وہ (خوشی سے) ہنس پڑیں۔ (صحیح بخاری: ۳۶۲۴، صحیح مسلم: ۲۴۵۰)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) اس طرح چلتی ہوئی آئیں گویا کہ نبی ﷺ چل رہے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: ((مرحبًا يا ابنتي)) خوش آمدید اے میری بچی! پھر آپ نے انھیں اپنی دائیں یا بائیں طرف بٹھالیا۔ (صحیح بخاری: ۳۶۲۳ و صحیح مسلم: ۲۴۵۰)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی عادات و اطوار، آپ کے اُٹھنے بیٹھنے کی پروقار کیفیت اور سیرت میں فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا، جب وہ نبی ﷺ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ اُن کے لئے کھڑے ہو جاتے پھر اُن کا بوسہ

لے کر اپنی جگہ بٹھاتے تھے اور جب نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر آپ کا بوسہ لیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھاتی تھیں۔

(سنن الترمذی:۳۸۷۲ وسندہ حسن، وقال الترمذی: ھٰذا حدیث حسن غریب)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خوش خبری دی تھی کہ وہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں سوائے مریم بنت عمران کے۔(الترمذی:۳۸۷۳ وسندہ حسن)

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، پھر آپ عشاء تک (نفل) نماز پڑھتے رہے، پھر جب فارغ ہو کر چلے تو میں (بھی) آپ کے پیچھے چلا، آپ نے میری آواز سن کر فرمایا: یہ کون ہے؟ حذیفہ ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: ((**ما حاجتك غفر اللّٰه لك و لأمك**)) تجھے کیا ضرورت ہے؟ اللہ تجھے اور تیری ماں کو بخش دے۔(پھر) آپ نے فرمایا: ((**إن هٰذا ملك لم ينزل الأرض قط قبل هٰذه الليلة استأذن ربه أن يسلّم عليّ و يبشرني بأن فاطمة سيدة نساء أهل الجنة و أن الحسن و الحسين سيداشباب أهل الجنة**)) یہ فرشتہ اس رات سے پہلے زمین پر کبھی نہیں اُترا۔ اس نے اپنے رب سے مجھے سلام کہنے کی اجازت مانگی اور یہ (فرشتہ) مجھے خوش خبری دیتا ہے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔

(سنن الترمذی:۳۷۸۱ وسندہ حسن، وقال الترمذی: حسن غریب، وصححہ ابن خزیمہ:۱۱۹۴ وابن حبان:۲۲۲۹ والذہبی فی تلخیص المستدرک ۳۸۱/۳)

تنبیہ: اس فرشتے کا نام معلوم نہیں ہے۔ ماہنامہ الحدیث: (۲۶ ص ۶۳) میں بریکٹوں کے درمیان ''(جبریل علیہ السلام)'' چھپ گیا ہے جو کہ غلط ہے۔

نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور (اپنی چادر کے نیچے داخل کر کے) فرمایا: اے اللہ یہ میرے اہل (اہل بیت) ہیں۔

(صحیح مسلم: ۳۲/۲۴۰۴ و ماہنامہ الحدیث:۲۶ ص ۶۲)

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((والذي نفسي بيده ! لا يبغضنا أهل البيت رجل إلا أدخله الله النار))

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ہم اہلِ بیت سے جو آدمی بھی بغض رکھے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے (جہنم کی) آگ میں داخل کرے گا۔

(صحیح ابن حبان، الاحسان: ۶۹۳۹ دوسرا نسخہ: ۶۹۷۸، الموارد: ۲۲۴۶ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم علیٰ شرط مسلم ۱۵۰/۳ ح ۴۷۱۷، وانظر سیر اعلام النبلاء ۱۲۳/۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنتی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم اور مریم بنت عمران ہیں۔

(مسند احمد ۲۹۳/۱ وسندہ صحیح، ماہنامہ الحدیث: ۳۰ ص ۶۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر راز کی ایک بات بتائی تو وہ رونے لگیں پھر دوسری بات بتائی تو وہ ہنسنے لگیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے مجھے بتایا: ''میں اس بیماری میں فوت ہو جاؤں گا'' تو میں رونے لگی پھر آپ نے مجھے بتایا کہ اہلِ بیت میں سب سے پہلے (وفات پا کر) میں آپ سے جا ملوں گی تو میں ہنسنے لگی۔

(صحیح بخاری: ۳۷۱۵، ۳۷۱۶ و صحیح مسلم: ۲۴۵۰)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد تقریباً بیس سال کی عمر (۱۱ ہجری) میں فوت ہوئیں۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۸۶۵۰)

تنبیہ (۱): جس روایت میں آیا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات سے پہلے غسلِ وفات کیا تھا، ضعیف و منکر روایت ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۸ ص ۱۴، ۱۵

تنبیہ (۲): بعض گمراہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا سبب یہ ہے کہ (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) نے انھیں دھکا دیا تھا۔'' یہ بالکل بے اصل، من گھڑت اور موضوع قصہ ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دل آلِ بیت، تمام صحابۂ کرام، خلفائے راشدین، سیدنا حسن، سیدنا حسین رضی اللہ عنہم اجمعین اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی محبت سے بھر دے۔ آمین

فہرست مضامین ماہنامہ ''الحدیث'' 2006ء

ماہنامہ الحدیث نمبر 20 (جنوری)

ماہنامہ الحدیث نمبر 21 (فروری)

ماہنامہ الحدیث نمبر 22 (مارچ)

ماہنامہ الحدیث نمبر 23 (اپریل)

ماہنامہ الحدیث نمبر 24 (مئی)

ماہنامہ الحدیث نمبر 26 (جولائی)

ماہنامہ الحدیث نمبر 27 (اگست)

ماہنامہ الحدیث نمبر 28 (ستمبر)

ماہنامہ الحدیث نمبر 29 (اکتوبر)

ماہنامہ الحدیث نمبر 30 (نومبر)

ماہنامہ الحدیث نمبر 31 (دسمبر)

حافظ زبیر علی زئی کی مطبوعہ کتابیں

۱: نور العینین فی اثبات مسئلہ رفع الیدین
۲: ہدیۃ المسلمین (نماز سے متعلقہ چالیس حدیثیں)
۳: شرح حدیثِ جبریل
۴: حاجی کے شب وروز
۵: دین میں تقلید کا مسئلہ
۶: جزء رفع الیدین للبخاری (ترجمہ وتحقیق)
۷: تعدادِ رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ
۸: مختصر صحیح نمازِ نبوی (وضو، نماز اور نمازِ جنازہ کا طریقہ)
۹: نصر الباری فی ترجمۃ وتحقیق جزء القراءۃ للبخاری (طبع دوم)
۱۰: امین اوکاڑوی کا تعاقب (طبع دوم)
۱۱: بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم
۱۲: تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء للبخاری (عربی)

یہ تمام کتابیں مکتبہ اسلامیہ سے دستیاب ہیں۔
مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور۔ امین پورہ بازار فیصل آباد